صوت النجف الاشرف

لسماحة آية الله العظمى المرجع الديني الكبير الشيخ بشير حسين النجفي دام ظله الوارف

ماہانہ علمی سماجی رسالہ

شماره 6 جمادی الثاني 1435 هـ

سماحۃ آیۃ اللہ العظمی المرجع الدینی الکبیر الشیخ بشیر حسین النجفی

مدیر اعلیٰ

سماحۃ الشیخ علی النجفی

انتظامی مدیر

شیخ قیصر عباس

نظارت

سید نسیم نقوی

سید تنویر حسین

معاون

شیخ محمد تقی ہاشمی

شیخ محمد مجتبیٰ نجفی

تزیین و آرائش و سرورق

بھاء کنانی

فوٹو گرافر

سید علی

رسالے کی سالانہ ممبرشپ حاصل کرنے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

00923125197082

اپنی تجاویز دینے کے لئے، ہمیں ای میل کریں۔

Email:m.urdu@alnajafy.com

009647601601182

صوت النجف الاشرف کو مقالات و تحریروں میں تدوین و ترمیم کا مکمل اختیار ہے۔

فہرست

علم غیب (حصہ سوم) 5

آیت تطہیر سوالات کے آئینے میں 8

فاطمہ دین کا ایک حصہ ہے۔ 15

توحید در خالقیت 18

مرجع عالی قدر دام ظلہ سے پوچھے گئے سوالات اور ان کے جوابات 20

بسماحة آية الله العظمى المرجع الديني الكبير الشيخ بشير حسين النجفي دام ظله الوارف

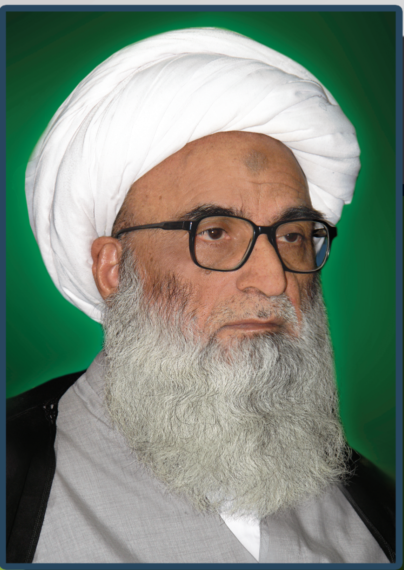

انسان اشرف المخلوقات کیوں؟

مترجم: سید ندر حسنی

قال الله سبحانه:"الذین یستمعون القول فیتبعون أحسنه أولئک الذین هداهم الله و أولئک هم أولواالالباب

خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

یعنی: جو لوگ بات سنتے ہیں اور اس میں سے اچھی (چیز) کی اتباع کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کو خدا نے ہدایت عطا فرمائی ہے اور یہی لوگ صاحبان عقل ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشادِ قدرت ہوتا ہے:

کنتم خیر أمة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنکر و تؤمنون بالله ولو آمن أهل الکتاب لکان خیرا لهم منهم المؤمنون و اکثرهم الفاسقون

یعنی: تم بہترین امت ہو کہ جسے لوگوں کے لئے باہر لایا گیا تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا ان میں بعض مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

لقد کرمنا بنی آدم و حملنا هم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات و فضلنا هم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا

یعنی: ہم نے بنی آدم کو عزت و کرامت عطا کی ہے خشکی اور سمندر میں ہم نے ان کو اٹھایا ہے انہیں پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سوں پر فضیلت دی ہے۔

انسان کی بلندی، ارتقاء اور تمام ناسوتی موجودات سے ممتاز ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کا احتساب کرے اور اپنے سامنے ایک عملی نمونہ رکھے اور اس کو آئینہ قرار دیتے ہوئے خود کو اس کے سامنے کھڑا کرکے مزین کرے اور ادھر ادھر سے چمٹنے والی گندگی کو اپنے آپ سے دور کرے اور نفس کی بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے بڑھے ہوئے وہ پر وبال کاٹ دے کہ جو اسے ہلاکت اور فساد کے گڑھے میں لے جارہے ہیں۔ اور یہ بات واضح ہے کہ اگر انسان اپنے آپ کے ساتھ ایسا سلوک اور کردار اختیار نہ کرے تو وہ اپنی صلاحیتوں اور اس کامل و احسن خلقت میں ممتاز نہیں ہو سکتا کہ جس کی طرف خدا نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویمیعنی: بیشک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا ہے۔

پس اپنے آپ کے ساتھ جس کردار اور سلوک کی انسان سے امید کی جاتی ہے اگر انسان ایسا کردار اختیار نہ کرے تو انسان بھی دوسری تمام مادی مخلوقات کے زمرے میں شمار ہونے لگے گا کہ جو مخلوقات بغیر کسی امتیاز اور فضیلت کے پھیلی ہوئی زمین پر پیدا ہوتی ہیں اور پھر مر جاتی ہیں۔ لہٰذا ہمارے

تمام نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ خود اپنے آپ کو اپنے ضمیر کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرکے اپنے بارے میں غور و فکر کریں، اپنے ارد گرد موجود ماحول اور حالات کو بھی دیکھیں اور تیزی سے ترقی کرتی ہوئی دنیا میں اپنی ذمہ داریوں پر نظر ڈالیں Science,Technology اور ترقی کی دنیا میں اپنی محنت کے ذریعے سب سے آگے بڑھ کر اپنا وجود اور سب پر اپنی فضیلت ثابت کریں۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا کتب اہل سنت میں

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي يُؤْذِينِي مَا آذَاهَا

(صحيح مسلم كِتَاب فَضَائِلِ الصَّحَابَةِبَاب فَضَائِلِ فَاطِمَةَ بِنْتِ النَّبِيِّ عَلَيْهَا الصَّلَاة وَالسَّلَامُ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک فاطمہ ہی میرا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّي فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي

(صحيح بخارى كِتَاب الْمَنَاقِبِ بَاب مَنَاقِبِ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَام)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔
قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لفاطمة : إن الله يغضب لغضبك و يرضى لرضاك

(مستدرك الحاكم كتاب معرفة الصحابة رضي الله تعالى عنهم ذكر مناقب فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه و سلم)

رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ سے فرمایاکہ اللہ تیری ناراضگی پر ناراض ہوتا ہے اور تیرے راضی ہونے پر راضی ہوتا ہے۔
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

(صحيح بخارى كِتَاب الْمَنَاقِبِ بَاب مَنَاقِبِ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَام)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ فاطمہ جنت کی عورتوں کی سرادر ہیں۔
خير نساء العالمين أربع مريم بنت عمران وخديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد وآسية امرأة فرعون

(الكتاب : جمع الجوامع أو الجامع الكبير للسيوطي حرف الخاء)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ دنیاکی تمام عورتوں سے بہتر چار عورتیں ہیں۔ مریم بنت عمران،خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ فرعون کی بیوی
أول شخص يدخل الجنة فاطمة بنت محمد ومَثَلُها فى هذه الأمة مَثَل مريم فى بنى إسرائيل

(الكتاب : جمع الجوامع أو الجامع الكبير للسيوطي حرف الهمزة)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا وہ فاطمہ بنت محمد ہیں اور فاطمہ کی مثال اس امت میں مریم کی بنی اسرائیل میں مثال جیسی ہے۔
النبي صلى الله عليه وسلم يقول : «إذاكانيومالقيامةنادىمناد من وراء الحجاب : يا أهل الجمع ، غضوا أبصاركم عن فاطمة بنت محمد صلى الله عليه وسلم حتى تمر

(المستدرك على الصحيحين للحاكم كتاب معرفة الصحابة رضي الله عنهم ذكر مناقب فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی پردے کے پیچھے سے آواز دے گا کہ اے مجمع والو! اپنی نظریں جھکا لو تاکہ فاطمہ بنت محمد ﷺ گزر جائیں۔
فقالوا : يا رسول الله ، جئناك نسألك من أحب الناس إليك ؟ قال : «فاطمة»

(المستدرك على الصحيحين للحاكم كتاب معرفة الصحابة رضي الله عنهم ذكر مناقب زيد الحب بن حارثة بن شراحيل بن عبد العزى)

لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ہم آپ کے پاس آئیں ہیں تاکہ آپ سے پوچھیں کہ تمام لوگوں میں سے آپ کے نزدیک سب سے محبت والا کون ہے ؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ فاطمہ

علم غیب (حصہ سوم)

پہلی دلیل:
اس دلیل کی وضاحت کے لیے چند امور کا پیش کرنا ضروری ہے۔

(۱)قرآن مجید کے مختلف مراتب ہیں،قرآن مجید کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ جو اس وقت ہمارے درمیان موجود ہے اور قرآن مجید کو اس ادنیٰ مرتبہ میں لانے کا فلسفہ یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ کے ہاں لوح محفوظ میں کمال کی اس بلندی پہ تھا جہاں عقلِ انسانی کی رسائی ممکن نہ تھی۔اس وجہ سے تاکہ میری مخلوق اس کو سمجھ سکے خدا وندعالم نے اپنے بندوں پر لطف و کرم کرتے ہوئے اس قرآن کو عربی زبان کا لباس پہنایا۔اور اسی کی طرف خود قرآن مجید نے ارشاد فرمایا:

اناجعلنه قرء اناعربیا لعلکم تعقلون وانه فی ام الکتاب لدینا لعلیّ حکیم ۔" (الزخرف۴،۳)

بے شک ہم نے اسے عربی قرآن قرار دیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔اور یہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں نہایت درجہ بلند اور پُر حکمت کتاب ہے۔

پس یہ آیت واضح لفظوں میں کہہ رہی ہے کہ یہ قرآن عربی لباس پہنانے سے پہلے لوح محفوظ میں ایک ایسے بلند درجے پہ تھا جہاں عقلِ انسانی کی پرواز ممکن نہ تھی۔

(۲)اس کتاب مبین کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر چیز کا علم ہے گذشتہ زمانے ،موجودہ زمانے اور قیامت تک زمین وآسمان میں ہر غائب چیز کا علم قرآن میں موجود ہے۔اور اس بات کی طرف خود قرآن مجید نے ارشاد فرمایا:

وما تسقط من ورقة الا یعلمها ولاحبة فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الآفی کتاب مبین۔" (الانعام۵۹)

کوئی پتا بھی نہیں گرتا ہے تو اسے اس کا علم ہے زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک وتر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین کے اندر محفوظ نہ ہو۔"

(۳) نبی اکرمؐ اور ان کی اہل بیت علیھم السلام کتاب مبین میں موجود ہر چیز کا علم رکھتے ہیں اور اس بات کی گواہی خود قرآن نے دی ہے ارشاد فرمایا:

انه لقرآن کریم فی کتاب مکنون لایمسّه الّا المطهرون (الواقعه ۷۹،۷۸،۷۷)

یہ بڑا محترم قرآن ہے جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیاہے۔اسے پاک وپاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔

اور علماء تفاسیر نے اس نکتہ کو انتہائی اچھے انداز میں اجاگر کیا ہے کہ آیت میں (مسّ) سے مراد ظاہری چھونا نہیں ہے بلکہ (مسّ) یہاں علم کے معنی میں ہے ۔تو اس آیت کا معنی یوں ہو جائے گا کہ اس پوشیدہ کتاب کا علم پاک وپاکیزہ افراد کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔اب خود قرآن ہی سے پوچھتے ہیں کہ وہ پاک وپاکیزہ افراد کون سے ہیں؟تو قرآن نے اس مشکل کو بھی حل کردیا اور کہا:

"انّما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیراً۔(الاحزاب۳۳)

بے شک اللہ کا ارادہ یہ ہے اہل بیت علیھم السلام تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور تمھیں اس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جیسے پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

شیعہ اور اہل سنت کی مستند ترین احادیث کی کتابیں اس حقیقت سے چھلک رہی ہیں کہ آیت میں اہل بیت سے مراد علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام ہیں اور اس حقیقت کا اعتراف اہل سنت کی مستند کتب میں موجود ہے جیسے صحیح مسلم، سنن الترمذی، مسند احمد بن حنبل وغیرہ نے صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ اہل بیت علی، فاطمہ، حسن وحسین علیہم السلام ہیں تو پس وہ پاک وپاکیزہ افراد جو تمام کتاب مبین کا علم رکھتے ہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی اہل بیت علیہم السلام ہیں۔

اس گفتگو کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کتاب مبین جن غیبی علوم کو متضمن ہے آئمہ معصومین علیہم السلام کو ان تمام غیبی علوم کا علم ہے۔اور معصومین علیہم السلام کی روایات بھی اسی مطلب کی تائید کرتی ہیں۔

مفضل بن عمر روایت کرتا ہے کہ ایک دن میں امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا امام علیہ السلام نے مجھے کہا:

یا مفضل عرفت محمداًو علیاًوفاطمة والحسن والحسین علیهم السلام كنه معرفتهم؟

اے مفضل !کیا تم نے محمد و علی وفاطمہ وحسن وحسین علیہم السلام کی حقیقی معرفت حاصل کی ہے ؟

مفضل کہتا ہے اے میرے آقامحمد وآل محمد علیہم السلام کی حقیقی معرفت کیا ہے؟

قال یا مفضل من عرفهم كنه معرفتهم كان مومناً فی السنام الاعلیٰ

اے مفضل :جس نے محمد وآل محمد علیہم السلام کی حقیقی معرفت حاصل کر لی وہ بہت بلند تر مومن ہے ۔

مفضل کہتا ہے میں نے کہا اے میرے آقا مجھے محمد وآل محمد علیہم کا تعارف کرائیں ۔

قال علیہ السلام: یا مفضل تعلم انهم علموا ما خلق الله عز وجل و ذراه و براه و انهم كلمة التقوی و خزان السماوات و الارضیین و الجبال و الرمال و البحار و عرفوا كم فی السماء نجم وملک وزن الجبال وكیل ماء البحاروانهار ها وعیونهاوما تسقط من ورقة الّا علموها ولاحبة فی ظلمات الارض و لا رطب و لایابس الا فی كتاب مبین و هو فی علمهم و قد علموا ذلك.

(البرہان فی تفسیر القرآن ج ۶ ص ۳۸۷)

اے مفضل:" جانتے ہو اللہ نے جس مخلوق کو بھی خلق کیا اور پیدا کیا محمد وآل محمد علیہم السلام اس کو جانتے ہیں وہ تقوی کا پیکر ہیں وہ آسمانوں زمینوں ، پہاڑوں ، ریت کے ڈھیروں اور سمندروں کے خزانے ہیں ۔ وہ آسمان میں ستاروں اور فرشتوں کی تعداد جانتے ہیں وہ پہاڑوں کے وزن اور سمندروں ، نہروں اور چشموں کے پانی کا وزن جانتے ہیں اور جو پتا بھی گرتا ہے اس کا علم رکھتے ہیں اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک تر ایسا نہیں جو کتاب مبین کے اندر محفوظ نہ ہو ان سب کا علم محمد وآل محمد علیہم السلام کے پاس ہے۔

دوسری دلیل:

اہل بیتؑ کے علم غیب پر دوسری دلیل یہ کہ وہ رسول خداؐ کے علم کے وارث ہیں ۔

اور روایات کی ایک بہت بڑی تعداد یہ کہہ رہی ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام رسول خداؐ کے علم کے وارث ہیں اور جب رسول خداؐ علم غیب کے اعلی و اکمل مرتبے پر فائز ہیں کیونکہ وہ تمام انبیاء و مرسلین سے اعلم ہیں تو پھر ان کے وارث بھی علم غیب سے آگاہ ہیں ۔

اہل بیت علیہم السلام کا وارثِ رسول خداؐ ہونے پر بہت زیادہ روایات ہیں چند ایک پیش خدمت ہیں ۔

(۱) جب عمرو بن ہذاب نے آئمہ معصومین علیہم السلام سے علم غیب کی نفی کی یہ کہتے ہو کہ خدا کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا تو اس وقت امام رضا علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:

او لیس الله یقول عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول فرسول الله عند الله مرتضی ونحن ورثة ذلک الرسول الذی اطلعه الله علی ما شاء من غیبه فعلمنا ما كان و ما یكون الی یوم القیامة۔

(بحار الانوار ج۴۹ ص۷۵)

کیا خدا قرآن میں نہیں کہہ رہا " وہ عالم غیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا ہے مگر جس رسول کو پسند کر لے ، پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ کے نزدیک پسندیدہ رسول ہیں اور ہم اسی رسول کے وارث ہیں جس کو اللہ نے اپنے غیب پر جتنا چاہا آگاہ کیا ہے پس ہم اہل بیت علیہم السلام گزشتہ اور قیامت تک آنے والے واقعات کو جانتے ہیں ۔

(۲)سیف التمار کہتا ہے ہم شیعوں کی ایک جماعت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں تھی۔

فقال و رب الكعبة (ثلاث مرات) لو كنت بین موسی و الخضر لأخبرتهما انی اعلم منهما والأنباتهما بما لیس فی ایدیهما لان موسیٰ و الخصر اعطیا علم ما كان ولم یعطیا علم ما هو كائن الی یوم القیامة و ان رسول الله اعطی علم ما كان و ما هو كائن الی یوم القیامة فور ثناه من رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم وراثة.

(اصول من الکافی کتاب الحجۃ ج۱ ص ۲۶۰)

تین مرتبہ امام صادق علیہ السلام نے کہا "کعبہ کے رب کی قسم اگر میں موسیٰؑ اور خضرؑ کے درمیان ہوتا تو انہیں بتا دیتا کہ میں تم دونوں سے اعلم ہوں اور انہیں اس چیز سے با خبر کرتا جس کا انہیں علم نہ تھا کیونکہ موسیٰؑ اور خضرؑ کو فقط گذشتہ کا علم عطا کیا گیا تھا ، قیامت تک آنے والے امور کا علم انہیں نہیں دیا گیا (مگر) رسول خداؐ کو گذشتہ اور قیامت تک آنے والے امور کا علم دیا گیا پس ہم نے رسول خداؐ سے اس علم کو وراثت میں پایا ہے۔

آیت تطہیر سوالات کے آئینے میں

شیخ محمد تقی ہاشمی

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً

بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہلبیت علیھم السّلام کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے کہ جس طرح پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔(سورہ احزاب آیت ٣٣)

مذکورہ آیت کو آیت تطہیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کہ جس آیت کے ذریعے اللہ تعالی نے محمد و آل محمد ﷺ کو خصوصی مقام سے نواز ا اور دنیا کے باقی تمام انسانوں سے الگ مقام عطا فرمایا اور ان سے ہمیشہ کے لئے ہر قسم کے رجس و برائی کو دور رکھا کہ جس سے محمد و آل محمد ﷺ کی عصمت و ولایت تمام دنیا کے سامنے واضح ہو گئی۔

لیکن اس کے باوجود آیت تطہیر کو بہت سارے سوالات و اعتراضات کا نشانہ بنایا گیا کہ جو آج بھی علمی و تحقیقی کتب و تفسیر میں زیر بحث ہیں ان سوالات کا مقصد بعض اوقات اعتراض کرنا ہوتا ہے اور اہلبیتؑ کی فضیلت کا انکار کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات مقصد آیت تطہیر کی صحیح تفسیر کی معرفت حاصل کرنا ہے کہ جس کی بدولت محمد و آل محمد علیھم السلام کی معرفت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔اس مختصر مقالے میں ہم انہی قسم کے چند سوالوں پر اور ان کے جوابات پر گفتگو کریں گے۔

آیت کے ترجمے پر غور کرنے سے چند ایک سوال پیدا ہوتے ہیں پہلے جملے میں ارشادر باری تعالی ہو رہا ہے کہ "اللہ کا ارادہ ہے کہ اے اہلبیتؑ تم سے برائی کو دور رکھے"

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر اللہ کے ارادے سے کیا مراد ہے؟یعنی اللہ نے اہلبیتؑ کو پاک رکھنے کا ارادہ کیا ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اہلبیتؑ سے چاہتا ہے کہ وہ پاک رہیں یعنی ارادہ سے مراد اللہ کا حکم ہے جیسا کہ جب اللہ تعالی نے بندوں کو وضو و غسل کرنے اور پاک رہنے کا حکم دیا تو فرمایا:

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَ لَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

خدا تمہارے لئے کسی طرح کی زحمت نہیں چاہتا. بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک و پاکیزہ بنا دے اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کردے شاید تم اس طرح اس کے شکر گزار بندے بن جاؤ۔(سورہ مائدہ آیت ٦)

پس آیت مذکورہ میں یہی ارشاد ہورہا ہے کہ (لَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ) اللہ کا ارادہ ہے کہ تم کو پاک و پاکیزہ بنادے۔ پس یہاں پر ارادہ سے مراد اللہ تعالی کا حکم ہے۔تو اسی طرح آیت تطہیر میں بھی ارادہ سے مراد اللہ تعالی کا حکم ہے لہذا آیت تطہیر سے اہلبیتؑ علیھم السلام کی عصمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے اہلبیتؑ کو پاک و پاکیزہ رہنے کا حکم دیا ہے۔اس سوال کے جواب پر ہم گفتگو کریں گے۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کلمہ "الرجس "سے کیا مراد ہے؟

اور تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت قرآنی کے اس ظاہری معنی کا یہ

مطلب ہے کہ پہلے اہلبیتؑ سے رجس دور نہیں تھا اور ابھی دور کیا چونکہ ارشاد یہی ہورہا ہے (کہ بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہلبیت علیھم السّلام کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے) باالفاظ دیگر کیا آیت کے نزول کے وقت اہلبیتؑ علیھم السلام کو عصمت عطا ہوئی اور آیت کے نزول کے زمانے سے پہلے ان کے پاس عصمت نہ تھی؟

ارادہ سے مراد:

اس کے جواب کے لئے ہمیں دو اصطلاحات کو سمجھنا ہوگا۔ مفسرین ارادہ کے دو معنی بیان کرتے ہیں ایک ارادہ تشریعی اور دوسرا ارادہ تکوینی

۱:ارادہ تشریعی: سے مراد اللہ تعالی کا اپنے بندوں کو حکم دینا ہے جیسا کہ مذکورہ آیت وضو میں بیان ہوا ہے پس اس ارادہ میں بندے اللہ کے ارادے کی مخالفت کرسکتے ہیں کیونکہ ارادہ کا معنی حکم دینے کے ہیں اور انسان اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے پر بااختیار ہے۔

۲:ارادہ تکوینی: سے مراد اللہ تعالی کا وہ ارادہ ہے جو مقام خلق میں استعمال ہوتا ہے یعنی پیدا کرنا اور دیگر امور کو انجام دینا کہ جس میں بندہ اللہ کے اس ارادے کے خلاف کام کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔

جیسے آیت مبارکہ میں ارشاد ہے:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُون

جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرلیتا ہے تو بس اس کا امر یہ ہوتا ہے: ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔(سورہ یاسین آیت ۸۲)

پس آیت تطہیر میں باری تعالی کے اہلبیتؑ کو رجس سے دور رکھنے کے ارادہ کے کیا معنی ہیں؟

مذکورہ آیت میں ارادہ سے مراد ارادہ تکوینی ہے اور ارادہ تشریعی مراد نہیں ہے۔ جس پر دلیل یہ ہے::

آیت میں خطاب فقط اہلبیتؑ کو ہے اور دوسرا اہلبیتؑ کے ساتھ شریک نہیں ہے کیونکہ مذکورہ آیت میں (عَنْكُمُ) اور (أَهْلَ الْبَيْتِ) کا ذکر ہے پس اگر مراد یہ ہو کہ اللہ تعالی اہلبیتؑ کوگناہوں سے دور رہنے کا حکم دے رہا ہے تو پھر اس حکم کو اہلبیتؑ کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں بنتی۔ بلکہ اہلبیتؑ کے ساتھ اس حکم کو خاص کرنے کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں ہے چونکہ سب مکلفین پر واجب ہے کہ وہ گناہوں سے دور رہیں۔

پس اگر ارادہ سے مراد حکم خداوندی ہو تو اہلبیتؑ کے ساتھ خطاب آیت کو خاص کرنا فضول اور قبیح امر ہوگا اور اللہ قبیح امر سے دور ہے۔ لہٰذا آیت میں ارادہ سے مراد یقینا ارادہ تشریعی یعنی حکم خداوندی نہیں ہے وگرنہ آیت کا فضول کلمات پر مشتمل ہونا اور قرآن میں لغو قسم کی تخصیص ہونا لازم آئے گا۔

پس یہاں پر ارادہ سے مراد ارادہ تکوینی ہے یعنی اللہ نے اہلبیتؑ کو گناہوں سے اور ہر قسم کی حماقت سے اس طرح پاک کیا ہے کہ جس طرح پاک کرنے کا حق ہے اور اب اہلبیتؑ کے لئے یہ محال ہے کہ وہ کوئی گناہ کریں۔

لیکن یہاں پر ایک اور سوال جنم لیتا ہے کہ جب اہلبیتؑ کے لئے محال ہے کہ وہ گناہ نہ کریں تو پھر اس میں ان کا کوئی کمال نہ ہوا یعنی پھر ان کی عصمت ان کے اپنے اختیار سے نہیں ہے بلکہ جبری ہے۔ جبکہ ہمارا یہ

عقیدہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام کی عصمت اختیاری ہے نہ کہ جبری؟پس عصمت کا ایمان اور اخلاقی دائرہ سے کوئی تعلق نہ ہوا۔

اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں دو اصطلاحوں کو سمجھنا ہوگا۔ محال کی دو قسمیں ہیں ایک محال عقلی اور دوسرا محال محال عادی

۱: محال عقلی : کسی چیز کا تصور اور واقع ہونا ہی عقل کے نزدیک ناممکن ہو جیسے ایک ہی وقت میں رات بھی ہو اور دن بھی ہو یا ایک ہی وقت میں انسان ہو بھی اور نہ بھی ہو۔

۲: محال عادی: کسی چیز کا عقلی طور پر واقع ہونا عقل کے نزدیک ممکن ہو لیکن عادت انسانی میں اس کا ہونا ناممکن ہو جیسے ایک عقلمند انسان کے لئے عقلی طور پر یہ ممکن ہے کہ وہ روڈ پر سب کے سامنے بغیر کپڑوں کے آجائے لیکن عقل مند انسان کی عادت میں یہ بات ناممکن ہے اور وہ ایسا کبھی نہیں کرسکتا کیونکہ عقلمند انسان کی عقل اس کو یہ برا کام کرنے کی کبھی بھی اجازت نہیں دیتی۔

اسی طرح جب ہم کہتے ہیں کہ اہلبیتؑ علیہم السلام کے لئے گناہ کرنا محال ہے اور یہ ناممکن ہے کہ وہ کوئی برا کام انجام دیں تو اس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ برا کام کرنے پر عقلی طور پر قدرت و طاقت رکھتے ہیں لیکن ان کی عقل ان کو یہ برا کام نہیں کرنے دیتی پس جس طرح ایک عقل مند انسان بلا کپڑوں کے روڈ پر نہیں آسکتا اسی طرح معصوم بھی کبھی کسی قسم کا گناہ نہیں کرسکتا۔

پس عصمت اہلبیتؑ کوئی جبری اور غیر اختیاری چیز نہیں ہے بلکہ اہلبیتؑ کی معرفت اتنی ہوتی ہے کہ وہ ہر قسم کے گناہ سے اس طرح نفرت کرتے ہیں جیسے ایک انسان زہر سے نفرت کرتا ہے تو اسی وجہ سے وہ اختیار رکھتے ہوئے بھی اس گناہ کے قریب نہیں جاتے۔ پس یہ خداوندِ کریم کا اہلبیتؑ علیہم السلام پر بہت بڑا لطف و کرم ہے کہ ان کو اتنی معرفت و علم عطا کر دیا کہ وہ ہر قسم کے گناہ سے زہر قاتل کی طرح نفرت کرتے ہیں اور ان سے اپنے اختیار سے دور رہتے ہیں۔

رجس سے مراد:

رجس: كل شيء يستقذر فهو رجس (کتاب العین)ہر وہ چیز جس سے نفرت کی جائے وہ رجس ہے۔

پس رجس سے مراد ہر قسم کی قذارت ہے چاہے وہ عقلی اعتبار سے قابل نفرت ہو یا شرعی اعتبار سے یا دونوں اعتبار سے۔ پس یہ حماقت کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا جو کلمہ رجس کی تفسیر گناہ یا شک سے کی جاتی ہے وہ بھی در حقیقت اس رجس کے مصادیق اور موارد کے طور پر ہے ۔

علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں کہ: قال ابن عباس الرجس عمل الشيطان و ما ليس لله فيه رضى۔ابن عباس فرماتے ہیں کہ رجس شیطان کا عمل ہے اور ہر وہ چیز ہے جس پر اللہ راضی نہ ہو۔ (تفسیر مجمع البیان ج۸ص۵۸۸)

رجس کے دور کرنے کا زمانہ:

کیا نزول آیت کے وقت ہی رجس کو دور کیا گیا؟اس تیسرے سوال کے دو جواب ہم ذکر کرتے ہیں۔

پہلا جواب:اس کے لئے دو اصطلاحوں کو سمجھنا ہوگا الرفع و الدفع

۱:رفع :یعنی پہلے کوئی چیز ہو اور پھر اسے اٹھا لینا جیسے کوئی کمرے میں آئے اور پھر اسے نکال دینا۔

۲:دفع :یعنی شروع سے ہی اس چیز کو روک دینا جیسے کسی کے کمرے میں آنے سے پہلے ہی اسے روک دینا۔

یہاں پر آیت میں برائی کو دور رکھنے کے معنی دفع کی بناء پر ہیں یعنی برائی کو روک دیا گیا ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ پہلے سے اہلبیتؑ برائی میں نعوذ باللہ من ذلک مبتلاء تھے اور اب برائی کو اٹھایا گیا بلکہ شروع سے ہی برائی کو روک دیا گیا ہے۔پس اسی معنی میں قرآن کی اور بھی آیتیں استعمال ہوئی ہیں مثال کے طور پر:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَ الْفَحْشاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبادِنَا الْمُخْلَصين

تاکہ ہم ان سے بدی اور بے حیائی کو دور رکھیں، کیونکہ یوسف ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔(سورہ یوسف آیت ۲۴)

پس مذکورہ آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام معاذاللہ برائی میں مبتلاء ہوگئے تھے اور پھر ان سے برائی کو دور کیا بلکہ یہاں پر برائی کو دور کرنا دفع کے معنی میں ہے یعنی شروع سے ہی برائی کو ان کے پاس آنے سے روک دیا گیا۔ بالکل یہی دفع کا معنی آیت تطہیر میں بھی مراد ہے اور اسی وجہ سے اردو میں آیت کا معنی یہی بنتا ہے کہ اللہ تم سے برائی کو دور رکھے ۔

دوسرا جواب: یہاں پر فعل مضارع کے ذریعے خبر دی جارہی ہے اور عربی میں صیغہ مضارع استمرار کا فائدہ دیتا ہے یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہیں کہ ان سے برائی دور ہے ایسا نہیں ہے کہ اب حال میں یا استقبال میں ان کو اس صفت کے ساتھ متصف کیا گیا ہے پس فعل مضارع کواستمرار میں قرآن کے اندر دیگر مقامات میں بھی استعمال کیا گیا ہے جیسے

اللّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ في طُغْيانِهِمْ يَعْمَهُون

اللہ بھی ان کے ساتھ تمسخر کرتا ہے اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ یہ اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں گے۔(البقرہ آیت ۱۵)

پس مذکورہ آیت میں یہ معنی مراد نہیں ہے کہ اللہ منافقین کے ساتھ فقط زمانہ حال میں تمسخر کرتا ہے اور ماضی کے زمانہ میں تمسخر نہیں کرتا تھابلکہ یہاں پر اس صفت کا استمرار اور جاری ہونا مراد ہے یعنی اللہ ہمیشہ سے ان کے ساتھ تمسخر کرتا ہے اور ان کو ڈھیل دیتا ہے۔

پس آیت میں إِنَّما يُريدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ میں فعل مضارع کو استمرار کے معنی میں استعمال کیا گیاہے کہ اہلبیتؑ سے رجس کا دور ہونا استمرار کے طور پر ہے کہ جو زمانہ ماضی سے لے کر ہمیشہ تک کے لئے ہے۔

اور پھر اگر روایات کی طرف ملاحظہ کریں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آئمہ علیہم السلام کی عصمت ان کی پیدائش سے ہے پس یہ روایات بھی اس آیت میں برائی کو دور رکھنے کی تفسیر بنتی ہیں۔

استفادہ از کتب:

۱: تفسیر مجمع البیان ۲: تفسیر الامثل ۳: تفسیر التبیان ۴: تفسیر المیزان ۵: آیۃ التطہیر رؤیۃ مبتکرۃ ۶ آیات الولایۃ فی القرآن ۷:کتاب العین

پڑوسی کے حقوق

الشیخ ضیغم مہدی نجفی

مقدمہ:

دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کا ایک خاص امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ ایک معاشرتی اور سماجی دین ہے اور اس نے صرف انسان کی انفرادی ضروریات یا روحانی پہلوؤں اور نفسیاتی خواہشات کو ہی مد نظر نہیں رکھا بلکہ اسے دوسروں کے ساتھ زندگی گزارنے کے اصول سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔

البتہ سب سے پہلے اس اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کی مشترکہ خواہش اور قلبی تمنا یہی ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کامیاب و کامران ہوجائے مختصر یہ کہ ہر انسان یہی چاہتا ہے کہ وہ دنیا میں سب سے بہتر اور برتر ہو اور دنیا کی اعلیٰ ترین چیزیں اس کے پاس ہوں اس کے پاس دنیا کا سب سے بڑا عہدہ ہو اور ترقی و کمال کی سب سے اعلیٰ منزل تک پہنچ جائے اور اس کی زندگی میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہے اور ہمیشہ کامیابیاں اس کے قدم چومتی رہیں یہی وجہ ہے کہ اگر کسی انسان کی ترقی کی رفتار میں کچھ لمحات کے لئے روکاٹ اور ٹھہراؤ پیدا ہوجائے تو وہ اس کی وجہ سے رنجیدہ ،ملول اور غم زدہ نظر آنے لگتا ہے اور یہ وہی خصوصیت اور فطری چیز ہے کہ جسے علمائے اسلام نے فطرت "حب کمال" کا نام دیا ہے۔

لیکن اسلام کی نظر میں کسی بھی انسان کو حقیقی سعادت و کمال اس وقت نصیب ہوتا ہے جب وہ اس کے اوامر و نواہی کی مکمل پابندی کرے یعنی واجبات کو بجا لائے اور محرمات سے پرہیز کرے چونکہ اس سے خداوند عالم راضی و خوشنود ہوتا ہے اور یہی خدا وند عالم کی حقیقی بندگی ہے اور اسی سے انسان کو حقیقی آزادی میسر آسکتی ہے۔

جب ہم کسی بھی حکم الٰہی پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں اس حکم کا سماج اور معاشرے سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور نظر آتا ہے اور بہت ہی کم کوئی ایسا حکم شرعی نظر آئے گا کہ جس کا تعلق ایک فرد سے ہو اور اس میں دوسروں کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔

اور اسی اسلام نے ہماری معاشرتی زندگی کے لئے کچھ اخلاقی اقدار وضع کی ہیں اور جس معاشرے میں اخلاقی فضائل زندہ اور معاشرتی زندگی پر حاکم ہوں اور اس معاشرے میں نہ صرف یہ کہ زندگی آرام و سکون سے گزرتی ہے بلکہ اس معاشرے میں انسان کو روحانی ترقی کے بھی زیادہ مواقع فراہم ہوتے ہیں اس کے برعکس جس معاشرے میں اخلاقی فضائل صرف کتب اور علماء و واعظین کی تقریروں تک محدود ہوں اور عملی زندگی میں ان کی کوئی جھلک نظر نہ آئے تو ایسے معاشرے میں نہ صرف یہ کہ زندگی عذاب بن جاتی ہے بلکہ انسان کی معنوی ترقی کی راہیں بھی مسدود ہوجاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں انسانیت کا درد رکھنے والے مفکرین اور مصلحین نے معاشرے میں اخلاقی فضائل کی بالادستی قائم کرنے کے لئے علمی فکری اور اور عملی جدو جہد کی ہے۔ خدا وند متعال نے جتنے بھی انبیاء بھیجے ان سب کی بعثت کا مقصد بھی اخلاقی فضائل کی بالادستی قائم کرنا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی مشہور و معروف حدیث ہے کہ انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (۱)

یہ حدیث نبوی بہت گہرے معنی پر مشتمل ہے مگر اس کی گہرائی پر عام طور پر نظر نہیں کی جاتی غور فرمائیں کہ حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں تمہیں عقائد و اعمال کی تعلیم دینے آیا ہوں یا بالفاظ دیگر آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں تمہیں اصول دین اور فروع دین کی تعلیم دینے آیا ہوں بلکہ آپ نے انما کا لفظ استعال کرکے یہ بیان فرمایا کہ میری بعثت کا مقصد اچھے اخلاق کی تکمیل کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے ہم بخوبی یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ عقائد و اعمالِ اسلامی یا اصول دین اور فروع دین کا مقصد ہمارے اندر اچھے اخلاق کو پروان چڑھانا ہے۔

اوراس بات کی تائید احادیث سے بھی ہوجاتی ہے کہ جو شیعہ اور سنی دونوں کی کتب احادیث میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ما آمن بی من بات شبعان جارہ جائع (کتاب الکافی ج ۲ ص

۲۵۰)
کہ جو شخص پیٹ بھر کر سوجائے اور اس کا پڑوسی رات کو بھوکا رہے وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا۔

اس حدیث میں پڑوسی کے مسلمان ہونے کی شرط نہیں رکھی گئی اور پھر احادیث مبارکہ میں ہے پڑوسی کی حد چاروں طرف سے چالیس گھر تک ہے۔(عوالی اللیالی ج۱ ص۲۵۷)

نتیجہ یہ ہے کہ اگر آپ نے سیر ہو کر کھانا کھا لیا اور چاروں طرف چالیس گھروں تک آپ کا کوئی مسلم یا غیر مسلم پڑوسی رات بھر بھوکا سو رہا ہو تو رسول اللہ ﷺ کی نظر میں آپ مسلمان نہیں ،خواہ آپ رات بھر نوافل پڑھتے رہیں اور دن بھر روزے رکھیں مگر اسے انسان کی بدقسمتی کے سوا اور کیا نام دیا جاسکتا ہے کہ فطری اور عقلی طور پر اخلاقی فضائل کا اعتراف کرنے اور انبیاء اور مصلحین کی عالمگیر اصلاح اخلاق کی کوششوں کے باوجود اخلاقی بحران ہر دور میں انسانی معاشرے کا بڑا بحران رہا ہے دور حاضر میں یہ بحران انتہائی پیچیدہ اور خطرناک صورتحال اختیار کر چکا ہے۔

جب اخلاقی اقدار کی حاکمیت کی جگہ طاقت کی حاکمیت لے لے تو ایسی صورت میں طاقت ہی طاقت کا راستہ روک سکتی ہے اخلاقی بحران کے اس سیلاب کے سامنے بند باندھنے کی جتنی شدید ضرورت آج ہے شائد پہلے کبھی نہ تھی قرآن مجید اور معصومین علیھم السلام کی اخلاقی تعلیمات کے بغیر اس بند کی تعمیر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

(انہی اخلاقی اقدار کی ترویج اور بالا دستی کےلئے رسالہ صوت النجف الاشرف نے اخلاقی موضوعات پر ایک سلسلہ شروع کیا ہے انشاء اللہ قارئین ان موضوعات سے قرآن و سنت کی روشنی میں مستفید ہو کر اپنی عملی زندگی پر اس کو نافذ کرنے کی کوشش کریں گے)

اس دفعہ مقالے کا موضوع (ہمسائیوں کے حقوق اسلام کی نظر میں) ہے۔ اس میں آیات قرآنی اور احادیث معصومین علیھم السلام کی روشنی میں اس موضوع پر گفتگو کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ انسان کی معاشرتی زندگی پر اس کے اثرات کو زیر بحث لایا جاسکے۔

اس مقالے میں ہم پانچ بنیادی چیزوں کی قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت کرنے کی کوشش کریں گے۔

۱:ہمسایہ کی تعریف اور اس کی اقسام ۲:ہمسائگی کی حد بندی ۳:قرآن و سنت میں پڑوسی سے حسن سلوک کی اہمیت ۴:پڑوسیوں کے اختلاف کی صورت میں ان کا حل ۵:پڑوسی کی اذیت سے بچنے کا طریقہ

پڑوسی کی تعریف:

لغوی تعریف: پڑوسی کو عربی زبان میں "جار "کہتے ہیں اس کا معنی علمائے لغت نے یوں کیا ہے "الجار هو الذی یجاورک فی المسکن و یمیل ظل بیته الی بیتک "

یعنی وہ جس کی رہائش آپ کے ساتھ ہو اور اس کے گھر کا سایہ آپ کے گھر کی طرف جھکا ہو اہو اسے جار کہتے ہیں۔ (مجمع البحرین)

اصطلاحی تعریف:

پڑوسی سے مراد آس پاس کے مکان ، دکان فلیٹ ، جگھی یا دیگر عمارتوں میں رہنے والے لوگ ہیں البتہ پڑوسی کی ایک اور قسم ان لوگوں پر مشتمل ہے جو کسی وجہ سے ہم نشینی کا سبب بن جاتے ہیں۔

پڑوسی کی اقسام:

اگر ہم سورہ نساء کی آیت ۳۶ کو سامنے رکھیں تو صورت کچھ یوں بنتی ہے :۱:رشتے دار پڑوسی ۲:اجنبی پڑوسی ۳:ہم نشین یا پہلو کے ساتھ

رشتے دار پڑوسی:

ہر وہ ہمسائیہ ہے جو رشتے دار بھی ہے اس کا حق دیگر پڑوسیوں کے مقابلے میں مقدم ہے۔

اجنبی پڑوسی:

اس سے مراد وہ پڑوسی ہے جو رشتے دار نہیں بلکہ صرف پڑوسی ہے اس کا درجہ پہلے والے سے کم ہے۔

ہم نشین یا پہلو کے ساتھ :
یعنی جس کے ساتھ دن رات کا اٹھنا بیٹھنا ہو اس اصطلاح سے مراد ایک گھر یا عمارت میں رہنے والے مختلف لوگ، دفتر فیکٹری یا کسی اور ادارے میں ساتھ کام کرنے والے افراد، تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے ساتھی دوست اور دیگر ملنے جلنے والے احباب شامل ہیں ۔
تفسیر مجمع البیان میں رسالت مآب ﷺ سے مروی ہے کہ ہمسائے کی تین اقسام ہیں :
(۱) مسلمان اور رشتہ دار ہمسائیہ :اس کے تین حق ہیں::
۱:حق ہمسائیگی ۲:حق قرابت ۳:حق اسلام
(۲) مسلمان مگر غیر رشتہ دار ہمسائیہ :اس کے دو حق ہیں::
۱:حق ہمسائیگی ۲:حق اسلام
(۳) غیر مسلم ہمسائیہ :اس کا ایک حق ہے وہ ہے حق ہمسائیگی (مجمع البیان فی تفسیر القرآن ج۳ ص ۷۲)
ہمسائیگی کی حد بندی :
ہمسائیہ کی حد بندی کیا ہے اس میں بھی روایات موجود ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ہم صرف دو روایتوں کو نقل کرنے پر اکتفاء کریں گے ۔
عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ ع قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ص كُلُّ أَرْبَعِينَ دَاراً جِيرَانٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهِ وَ عَنْ يَمِينِهِ وَ عَنْ شِمَالِهِ.
امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسول خدا ﷺ سے روایت کی ہے کہ آدمی کے چاروں طرف سے چالیس چالیس گھروں تک پڑوسی کہلاتے ہیں ۔(الکافی (ط - الإسلامیة) / ج ۲ ص : ۶۶۹)
قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ع حَرِيمُ الْمَسْجِدِ أَرْبَعُونَ ذِرَاعاً وَ الْجِوَارُ أَرْبَعُونَ دَاراً مِنْ أَرْبَعَةِ جَوَانِبِهَا.
امام علی علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مسجد کا پڑوس چالیس ذراع (ہاتھ) ہے اور پڑوسی گھر کے چاروں طرف چالیس گھروں کو کہا جاتا ہے ۔(الخصال / ج ۲ ص : ۵۴۴)
قرآن و سنت میں پڑوسی سے حسن سلوک کی اہمیت :
خداوند متعال نے اپنی لاریب کتاب میں ارشاد فرمایا:
وَ اعْبُدُوا اللهَ وَ لا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَ بِالْوالِدَيْنِ إِحْساناً وَ بِذِي الْقُرْبى وَ الْيَتامى وَ الْمَساكِينِ وَ الْجارِ ذِي الْقُرْبى وَ الْجارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ وَ ما مَلَكَتْ أَيْمانُكُمْ إِنَّ اللهَ لا يُحِبُّ مَنْ كانَ مُخْتالاً فَخُوراً (سورہ نساء آیت ۳۶)
ترجمہ:اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو ،قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے ،اجنبی ہمسائے سے پہلو کے ساتھ اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں احسان کا معاملہ رکھو یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ میں مغرور ہو اور اپنی برائی پر فخر کرے ۔
ایک نکتہ کی وضاحت:
آیت مجیدہ میں" وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ "فرمایا گیا ہے جس سے مراد ہم نشین دوست بھی ہے اور ایسا شخص بھی ہے جس سے کہیں آدمی کا ساتھ ہوجائے مثلاً آپ بازار میں جا رہے ہوں اور کوئی شخص آپ کے ساتھ راستہ چل رہا ہو یا کسی دکان پر آپ سودہ خرید رہے ہوں اور کوئی دوسرا خریدار بھی آپ کے پاس بیٹھا ہو یا سفر کے دوران کوئی شخص آپ کا ہمسفر ہو ۔ یہ عارضی ہمسائیگی بھی ہر مہذب اور شریف انسان پر ایک حق عائد کرتی ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ حتی الامکان اس کے ساتھ نیک برتاؤ کرے اور اسے تکلیف دینے سے باز رہے ۔
احادیث مبارکہ میں پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت :
وَ عَلَيْكُمْ بِحُسْنِ الْجِوَارِ فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ أَمَرَ بِذَلِكَ
بحار الأنوار (ط - بیروت) ؛ ج۸۹ ؛ ص۱۹۷
تم پر پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کا حکم خداوند عالم نے دیا ہے ۔
مولائے کائنات علیہ السلام نے اپنی وصیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ:
اللَّهَ اللَّهَ فِي جِيرَانِكُمْ؛ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ أَوْصَى بِهِمْ، وَ مَا زَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ يُوصِي بِهِمْ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُمْ.
اللہ کے لئے، اللہ کے لئے اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو چونکہ یہ تمہارے رسول ﷺ کی وصیت ہے رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں مسلسل اتنی وصیت اور تاکید فرماتے رہتے تھے کہ ہمیں یہ خیال ہونے لگا کہ انہیں وارث قرار دے دیں گے۔
(کافی (ط - دار الحدیث) / ج۱۳ص : ۴۴۴)
پڑوسی کے حقوق اور ان کی تعظیم کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیں :
أَحْسِنْ مُجَاوَرَةَ مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُؤْمِناً
(الأمالی(للصدوق) ؛ النص ؛ ص۲۰۱
اپنی پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آؤ تاکہ مومن بن سکو۔
حُرْمَةُ الْجَارِ عَلَى الْإِنْسَانِ كَحُرْمَةِ أُمِّهِ(مکارم الأخلاق ؛ ص۱۲۶)
پڑوسی کا احترام ماں کے احترام کی طرح ضروری ہے ۔
مَا تَأَكَّدَتِ الْحُرْمَةُ بِمِثْلِ الْمُصَاحَبَةِ وَ الْمُجَاوَرَةِ(عیون الحکم و المواعظ (للیثی) ؛ ص۴۷۶)
دوستوں اور پڑوسیوں کے احترام کی طرح کسی احترام کی تاکید نہیں کی گئی۔
قَالَ رَسُولُ اللهِ ص مَنْ آذَى جَارَهُ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ رِيحَ الْجَنَّةِ- وَ مَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيرُ وَ مَنْ ضَيَّعَ حَقَّ جَارِهِ فَلَيْسَ مِنَّا وَ مَا زَالَ جَبْرَئِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُه(الأمالی(للصدوق) ؛ النص ؛ ص۴۲۸)
رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو بندہ اپنے پڑوسی کو اذیت دیتا ہے خدا اس پر جنت کی خوشبو کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا اور جس نے اپنے پڑوسی کے حق کو ضائع کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے ۔ پڑوسیوں کے بارے میں جبرائیل امین نے مجھے اتنی تاکید کی کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ وہ پڑوسیوں کو ایک دوسرے کا وارث بنا دیں گے ۔

امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں پوچھے گئے سوالات اور مرجع عالی قدر کے جوابات

مترجم :سید نذر حسنی

سوال نمبر ۱ : کیا انتظار کا مقصد اس زمانہ (حالتِ انتظار) میں کچھ خاص دینی و عبادتی اعمال اور مخصوص دینی رسوم کا انجام دینا ہے، یا یہ اپنے نظریہ ، موقف اور منصوبے کی فکری و عملی تحریک ہے ؟

جواب : عقلی اور شرعی اعتبار سے انتظار کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان گوشہ نشینی کی حالت میں مولا کا منتظر رہے اور جو کچھ بھی ارد گرد ہو رہا ہے اسے خاموش تماشائی کی طرح دیکھتا رہے، پس یہ فسق و فساد اور ظلم جو اس دنیا میں موجود ہے اور جس نے تمام انسانوں اور خصوصاً مومنین کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے، اس پہ خاموش رہنا اور اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں بے بس اور عاجز سمجھنا یا پھر وہ لوگ جو اپنے آپ کو دیندار سمجھتے ہیں، ان کا بغیر کسی موقع محل کے اپنے اوپر جمود طاری کر لینا اور دنیا کی ظاہری خوبصورتی اور دلفریبی سے دھوکہ کھا کر واجب (یعنی نہی عن المنکر) کی ادائیگی سے منہ پھیر لینا اس شخص کا کام ہے جس کے بس میں کچھ بھی نہ ہو یا پھر اس نے اُن خواہشاتِ نفسانی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے خود ہی اپنے آپ کو عاجز اور بے بس کر لیا ہو، جن سے حاصل ہونے والی لذتیں فانی اور فوری ختم ہونے والی ہیں اور اس طرح انسان سستی ، کاہلی اور خوابِ غفلت کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور یہی چیز اسے ہوا وہوس کا غلام بنا دیتی ہے بلکہ وہ ہر ظالم ، جابر اور سرکش کی ہوا وہوس کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ انسان عبد الشیطان یعنی شیطان کا بندہ بن جاتا ہے اور اسی بات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان کے ذریعے منع فرمایا ہے (لا تعبد الشیطان) یعنی تم شیطان کی بندگی مت کرو۔

روایات کی رو سے انتظار کا معنی اور مفہوم حرکت و تحریک ہے، یعنی انسان پہلے تو خود امام علیہ السلام کے استقبال اور ان کی مدد کے لیے ہمیشہ تیار رہے اور اس کے بعد اپنے اِرد گرد رہنے والے افراد مثلاً اس کے اہلِ خانہ، خاندان ، قبیلے، قوم اور اسی طرح جہاں تک ممکن ہو سکے لوگوں کو اس دینی انقلاب کے نور کو پھیلانے کے لیے تیار کرے تاکہ انقلاب کا حکم آنے پر فوراً انقلاب برپا ہو سکے ، ہمارے لیے یہ جاننا واجب ہے کہ اس راستہ میں سب سے پہلے جو چیز درکار ہے وہ اصلاح نفس ہے اور نفس کی اصلاح مختلف مراحل سے گزر کر مکمل ہوتی ہے جن میں اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرنا اور نیکیوں سے خود کو آراستہ کرنا شامل ہے۔

اصلاح نفس کے بعد ایک ایسا مرحلہ آتا ہے جس میں وہ اپنے دل ودماغ کو ہر قسم کے گناہ سے پاک کر کے اور اصلاح نفس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے اس کے لیے کھل جائیں اور اس میں یہ صلاحیت پیدا ہو جائے کہ جونہی امام علیہ السلام کوئی حکم صادر فرمائیں وہ فوری طور پر اسے عملی جامہ پہنا دے۔

اس طرح انسان ایک ایسے مرحلہ میں پہنچ جاتا ہے کہ جس میں اس کی روح محبت ، اطاعت اور خلوص کے جذبات سے اس طرح سرشار ہو جاتی ہے کہ اس کا وجود بلکہ اس کی تمام حرکات و سکنات حتیٰ کہ اس کے دل کی دھڑکن اور سانسوں کا اُتار چڑھاؤ تک شریعتِ مقدس اور امام علیہ السلام کی رضا اور مرضی کے تابع ہو جاتا ہے اور وہ ایک حقیقی مومن بن جاتا ہے، اس کا باطن ہر قسم کی بُری صفات مثلاً حسد، بزدلی ، لالچ اور ہر اس خواہش سے پاک ہو جاتا ہے، جو دائرہ اسلام اور شریعتِ مقدس کے خلاف ہو اس کے بعد خود ہی انسان کے اندر کام کرنے کی صلاحیت اور جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے، کسی کے سامنے نہیں جھکتا ، وہ فقط اس چیز سے محبت کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے ، اور اسی سے نفرت کرتا ہے جس پہ اللہ تعالیٰ غضب ناک ہو اور اسے ناپسند کرے ، اس طرح وہ اپنے گھر اور خاندان والوں کے لیے بلکہ ہر اس شخص کے لیے جو اس کے قریب رہتا ہو، عملی طور پر ہادی و رہبر بن جاتا ہے ، پس اس شخص کے ہر موقف اور نقطۂ نظر کی بنیاد مہدویت ہوتی ہے، وہ اپنی زبان، قول، عمل اور کردار کے ذریعے لوگوں کو حق کی دعوت دیتا ہے، اس طرح اس کا عمل حضرت سلمان فارسی ، حضرت ابو ذر اور حضرت عمار ابن یاسر کی مانند ہو جاتا ہے، جو اُس زمانہ میں

حضرت علی علیہ السلام کی حکومت اور سلطنت کے لیے راستہ ہموار کرتے اور لوگوں کو تیار کرتے تھے جس وقت چند بد بختوں (کہ جنہوں نے دنیا کی دلفریبی سے دھوکہ کھا کر اپنی آخرت کو انتہائی ادنیٰ اور گھٹیا چیز کے مقابلے میں بیچ دیا) کے باہمی گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں حضرت امام علی علیہ السلام سے ان کی حکومت اور سلطنت چھین لی گئی ۔

اس کے بعد جو مرحلہ آتا ہے اس میں جہاں تک بھی ممکن ہو سکے کلمۂ حق کو ہر ایک تک پہنچایا جائے اور امام علیہ السلام کے ظہور سے لوگوں کو متنبہ کرکے ان پہ اتمامِ حجت کی جائے اور ظالم و جابر حکمرانوں کو عوام کے درمیان رسوا اور بدنام کیا جائے ، لوگوں کو ان حکمرانوں کی بے راہ روی اور جہالت سے آگاہ کیا جائے اور ان لوگوں کو مطلع کیا جائے کہ وہ ان حکمرانوں کی وجہ سے کتنی بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں ۔

پس زمانہِ غیبت میں انتظار کے دوران ہر مومن پر واجب ہے کہ وہ ان شجاع جوانمردوں کی طرح ہوجائے جنہوں نے نور کے سنہری حروف سے انقلاب برپا کرنے والوں کے لیے راستہ ہموار کیا پھر اسے اپنے آنسوؤں سے مزین کیا اور اپنے پاکیزہ خون کے ذریعے اس راستہ میں چراغ روشن کیے تاکہ ہر طالبِ حق اور ہدایت چاہنے والے کے لیے یہ راستہ درخشاں اور واضح ہو جائے۔

جو دعائیں ہماری معتبر کتب میں موجود ہیں اور جن کو غیبتِ کبریٰ اور انتظار کے دوران ہمیشہ پڑھتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ دعائیں یہ درس نہیں دیتیں (جیساکہ بعض لوگ سمجھتے ہیں) کہ ظلم وجور کے مقابلے میں خاموش تماشائی بن کر گوشہ نشین ہوجائیں،بلکہ ان دعاؤں کا مقصد یہ ہے کہ بندہ مؤمن اپنے پرور دگار سے تعلق اور رابطہ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرے تاکہ وہ ایک طرف تو اس کے ذریعے اپنے اور دوسرے مؤمنین کے لیے خداوند عالم سے مدد طلب کرسکے اور دوسری طرف انہی دعائوں کے ذریعے طاغوت سے مقابلے اور اس کے خاتمے کے لیے خدا تعالیٰ سے نصرت حاصل کرے ، اور یہی دعائیں انسانی، دینی و اخلاقی بے راہ روی اور ظلم وجور کے اندھیروں میں اس نور کی مانند ہیں جو ان اندھیروں میں راستہ کی نشان دہی کرتا ہے، جیساکہ خود ان دعاؤں میں بھی اُس ظلمت اور انسانی انحراف کی طرف اشارہ موجود ہے جس میں ہم زمانہِ غیبت کے دوران رہ رہے ہیں، بلکہ ہم شیعوں کو یہ اضطراب اور ظلم وستم کا اندھیرا اس وقت سے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے ،جب حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ایک جگر خور کے بیٹے (معاویہ لعنۃ اللہ علیہ)کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے ۔

پس یہ دعائیں اپنے اندر وہ ولولہ اور جوش سموئے ہوئے ہیں جو ہمیں ہر برائی سے انکارکا شعورعطاکرتا ہے اورمیدانِ عمل میں آکر زمین سے ظلم وفساد کو ختم کر دینے کی دعوت دیتا ہے، یہ دعائیں کوئی تقلیدی رسومات نہیں (جو بعض لوگوں کے قول کے مطابق) ہمیں فتنہ کے مقابلے میں اپنے اوپر جمودطاری کرنے اور گوشہ نشین ہونے کا حکم دیں اور اسی طرح کسی بھی مومن کو ان روایات کی غلط تفسیر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، جو روایات فتنہ وفساد سے دور رہنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، مثلاً:

" کن فی الفتنۃ کابن اللبون ......الیٰ آخر"

ترجمہ : "فتنہ کے زمانہ میں اونٹ کے اس بچے کی مانند ہو جاؤ جس سے نہ دودھ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ اس پر بوجھ لادا جا سکتا ہے ... تا آخر"

ایک اور جگہ معصوم فرماتے ہیں:

"الزم بیتک حتیٰ تسمع الصحیحہ ...الیٰ آخر"

ترجمہ : "اپنے گھر میں بیٹھے رہو تاکہ تم وہ آواز سن سکو جو حق ہے ... تا آخر"

یہ روایات ان معانی پر دلالت نہیں کرتیں جو بعض لوگ ان سے سمجھتے ہیں بلکہ ان روایات میں غور وفکر کرنے سے پتہ چلے گا کہ ان روایات میں دین کی خدمت اورلوگوں کی اصلاح کے لیے ان حالات کا لحاظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جن حالات میں انسان اکثر گرفتار رہتا ہے، پس ہر عقلمند کے لیے ضروری ہے کہ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے ان حالات کو مد نظر رکھے تاکہ یہ نہ ہوکہ بجائے اصلاح کے، فساد میں پڑ جائے کیونکہ ہر زمانے میں حالات کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں اور کچھ ممنوعات اور ضروریات ہوتی ہیں، جن کو ملحوظِ خاطر رکھنا انتہائی ضروری ہوتا ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان ہمیشہ کے لیے گوشہ نشین ہو جائے ، کیونکہ طاغوت اور شیطانی طاقتیں یہی چاہتی ہیں کہ یہ لوگ گوشہ نشین ہو جائیں تاکہ وہ جیسے چاہیں دنیا میں دندناتے پھریں ۔

سوال نمبر۲ : آپ کی نظر میں ظہور کی علامات سے کیا مراد ہے؟ آیا ان کا مقصد فقط ڈرانا ہے ؟یا یہ علامات مومنین کے لیے بشارتیں ہیں ؟یا ان علامات میں مستقبل کا نقشہ کھینچا گیا ہے ؟ یا پھر ان میں سے کوئی بھی مقصود نہیں بلکہ ان روایات میں فقط مستقبل کے بارے میں پیشگوئی اور احتمالات دیئے گئے ہیں ؟

جواب : ظہور کی علامات منصوص اور ثابت شدہ ہیں، جو ہماری انتہائی معتبر اور قابلِ اعتماد کتب میں وارد ہوئی ہیں، یہ علاماتِ ظہور مندرجہ ذیل امور کا تقاضا کرتی ہیں ۔

...(۱) ان علامات کا ظہور اپنے اندر ایسی اعلیٰ قسم کی صلاحیت اور استعداد پیدا کرنے کی دعوت دیتا ہے جس کے ذریعے آپ آنے والے اُن جدید واقعات اور حقائق کا سامنا کر سکیں، جن واقعات کی ابتداء حق کے ظہور اور انقلابِ مہدی علیہ السلام کی پہلی کرن سے ہو گی ۔

...(۲) یہ علامات انسان کو اطمینان اور امید دلاتی ہیں کہ حق کا ظہور عنقریب ہونے والا ہے اور یہی چیز اسے اپنے ارادوں کو مضبوط کرنے میں مدد دیتی ہے اور انسان کے اندر بہت سی ایسی معنوی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے جن کی اسے ضرورت ہوتی ہے ۔

...(۳) ظہور کی علامات انسان کو آنے والے جدید حالات کی طرف متنبہ کرتی ہیں اور جدید حالات و واقعات کا سامنا کرنے کے لیے عملی طور پر کام کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں، یہ علامات ہمیں آنے والے جدید مرحلہ کے لیے اپنے اندر استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے کی طرف متوجہ کرتی ہیں ۔

السلام علیک یا فاطمہ

مرتب: شیخ قیصر عباس نجفی

فاطمہ دین کا ایک حصہ ہے۔

لسماحۃ آیۃ اللہ العظمیٰ المرجع الدینی الکبیر الشیخ بشیر حسین النجفی دام ظلہ الوارف

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمة بضعة مني

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ہم بچپن سے سنا کرتے تھے اور اس کا معنی یوں کیا جاتا تھا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، میرے دل کا ٹکڑا ہے۔

غور فرمائیں گے میرے بیٹے!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی بات کو عاطفت سے تفسیر کرنا بہت بڑا اشتباہ ہے میں یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انسان ہونے کی حیثیت سے ان ملازمات سے مجرد تھے جو ہر انسان میں ہوتے ہیں۔ نہیں استغفر اللہ اگر وہ مجرد تھے تو پھر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ہی باقی نہیں رہتی جیسے مجھے اور آپ کو بچوں اور بھائیوں سے محبت ہے یہ ایک فطری تقاضہ ہے اسی طرح رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے یکتا جوہر سے محبت تھی اور جناب زہراء سلام اللہ علیہا کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت تھی ایک باپ اور بیٹی ہونے کی حیثیت سے۔

لیکن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو خطاب کر کے یہ فرماتے ہیں کہ فاطمۃ بضعۃ منی تو اس فرمان کو عاطفت ابوی سے تفسیر کرنا میرے ناقص خیال کے مطابق بہت بڑا اشتباہ ہے۔ انسان جب عاطفت کا مظاہرہ کرتا ہے تو یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب باپ اور بچی کے درمیان گفتگو ہو اس وقت والد بچی کے سامنے اپنی عاطفت کا مظاہرہ کرتا ہے اپنے خاندان میں بیٹھ کر اپنے بچوں میں بیٹھ کر۔

مسجد میں رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسجد کو آپ یوں سمجھیں کہ ساری دنیا پر حکومت کرنے والا شخص کسی ایسی جگہ بیٹھا ہو جہاں ساری دنیا اس کی بات سن رہی ہو اور وہاں اس کے کنبے والے ہیں اور نہ بیٹی ہے بلکہ اغیار اور کنبے والے دونوں موجود ہیں اور ادھر وہ یہ بیان کر رہے ہیں فاطمۃ بضعۃ منی پس اب اس جملے کو یوں تفسیر نہ کیا جائے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو فاطمہ علیہا السلام سے محبت تھی اس کا اظہار فرما رہے تھے اس

مظاہرے کہ اور بہت سارے مقامات ہیں روایات میں جب رسول خدا ﷺ جناب زہراء سلام اللہ علیہا کو دیکھتے ہیں تو رسول اسلام ﷺ اپنی بیٹی کا ہاتھ چومتے تھے یہ ہے بیٹی اور باپ کے درمیان محبت کے مظاہرے کا مقام، انہیں اپنے پہلو میں بٹھاتے تھے یہاں محبت ابویت کا تقاضہ ہے مگر لوگوں کے سامنے رسول ﷺ اپنی بیٹی کا ہاتھ نہیں چومتے چونکہ وہ محبت کے مظاہرے کا مقام نہیں ہے مسجد محبت کے مظاہرے کا مقام نہیں ہے وہاں یہ فرما رہے ہیں لوگوں کے سامنے کہ فاطمة بضعة منی فاطمہ میرا ایک حصہ ہے من سرھا فقد سرنی ومن آذاھا فقد آذانی ۔ جس نے میری بیٹی کو خوش کیا اس نے مجھے خوش کیا جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے خوش کیا یا مجھے اذیت دی اس نے خدا کو خوش کیا یا خدا کو اذیت دی۔

ممبر پر بیٹھ کر مسجد میں عام مجمع کے سامنے رسول خدا ﷺ یہ فرمارہے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اس کا تعلق دین کے ساتھ ہے اس جملے کا تعلق اسلام کے ساتھ اور بعثت نبوی کی حکمت اور مصلحت سے مرتبط ہے شائد اس حدیث کو یوں واضح کیا جائے تو مقام صدورِ حدیث سے مناسب ہو گا۔

رسول اسلام ﷺ کا مقصد ان کی ولادت و زندگی کا مقصد ان کی ہر اس چیز کا مقصد ہر اس کام کا مقصد کہ جو انہوں نے انجام دیا ہو وہ اسلام ہے اور جب یہ کہا جائے کہ جناب زہراء سلام اللہ علیہا رسول اکرم ﷺ کا ایک حصہ ہیں بضعۃ کا عربی میں معنی ٹکڑے کے ہیں۔ تو ظاہر ہے یہاں رسول اکرم ﷺ سے مراد دین اور اسلام لیا جائے گا کیونکہ رسول خدا ﷺ یہاں اپنے خصوصی محبت کے تقاضے کو سامنے نہیں رکھ رہے ہیں بلکہ دین کو سامنے رکھ رہے ہیں اور چونکہ رسول ﷺ دین کی جڑ اور اساس ہیں دین کی حقیقت ہیں بلکہ خود دین ہیں اس لئے ان کا قول و فعل و تقریر تینوں حجت ہیں ۔

رسول ﷺ کا قول دین ہے رسول ﷺ کا فعل دین ہے اور رسول ﷺ کی تقریر دین ہے اور رسول ﷺ دین ہیں ۔تو پھر جناب زہراء سلام اللہ علیہا اس دین کا ایک حصہ ہے تو جناب زہراء سلام اللہ اسلام کا ایک حصہ ہے۔

اسلام کا ایک حصہ جناب زہراء سلام اللہ علیہا کیسے ہیں؟

احکام شریعت تین قسم کے ہیں۔ اسلام کے تمام احکام تین قسم کے ہیں ۔ ایک حصہ احکام کا وہ ہے جس میں مرد و عورت مشترک ہیں مثلا نماز ظہر یہ مرد پر بھی واجب ہے اور عورت پر بھی اسی طرح روزہ، کچھ احکام صرف مردوں کے متعلق ہیں مثلا جہاد اور کچھ عورتوں کے ساتھ خاص ہیں مثلا حجاب کرنا۔ اس طرح احکام کے تین حصے ہو گئے ۔

یہ تینوں قسم کے احکام انسانی زندگی کے تمام مراحل میں موجود ہیں انسان اپنے رشتہ دار سے کیسے تعلق رکھے یہ احکام کچھ مشترک ہیں کچھ مردوں کے ساتھ خاص ہیں کچھ عورتوں کے ساتھ خاص ہیں ۔ پڑوسیوں کے ساتھ دوسرے مومنین کے ساتھ کیسے تعلق رکھیں ۔

احکام کی یہ تقسیم اسلام کے تمام احکام کو شامل ہے چاہے وہ احکام عبادات ہوں یا معاملات ہوں یا ایک دوسرے کے برتاؤ کے متعلق ہوں ۔

سارے کے سارے احکام ان تین قسموں پر مشتمل ہیں اور رسول اسلام ﷺ نے ان تینوں قسموں کے احکام کو اپنی زبان سے پوری طرح بیا ن کیا۔

لیکن اس کے لئے ایسے نمونے کی ضرورت تھی جو ان احکام کو اپنے اوپر تطبیق کر کے بتائے رسول اسلام ﷺ اور آئمہ علیھم السلام نے ان دو اقسام کے احکام کو تطبیق کرکے بتا دیا جو مشترک تھے ان کو بھی کرکے بتا دیا کہ یوں انجام دیا جائے ۔

اور وہ احکام جو مردوں کے ساتھ خاص تھے ان کو بھی اپنے اوپر تطبیق کر کے بتا دیا جہاد کر کے بتادیا کہ کیسے کرنا ہے۔

اور باقی رہے تیسری قسم کے احکام تو اللہ نے جناب زہراء سلام اللہ علیہا کو خلق فرمایا تاکہ مستوارات کو بتائے کہ وہ احکام جو عورت کے ساتھ خاص ہیں ان کی تطبیق کیسے ہوتی ہے وہ تیسرا حصہ احکام کا جناب زہراء سلام اللہ علیہا کے ساتھ خاص ہے ۔ انہوں نے تطبیق کر کے بتا یا۔ اسی وجہ سے رسول اکرام ﷺ نے مسجد میں بیٹھ کر فرمایا کہ فاطمہ دین کا ایک ٹکڑا ہے یہ محبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ نے نہیں فرمایا بلکہ جناب زہراء سلام اللہ علیہا کی عظمت کو مد نظر رکھتے ہوئے بیان فرمایا اسی وجہ سے رسول اسلام ﷺ نے مسجد میں اصحاب سے دریافت کیا کہ وہ کونسی چیز ہے جو عورت کے لئے سب سے بہتر ہے کسی کے پاس جواب نہیں تھا جناب زہراء سلام اللہ علیہا کو پتہ چلا تو انہوں نے فرمایا کہ عورت کے لئے سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ وہ نا محرم کو نہ دیکھے اور نا محرم اس کو نہ دیکھے ۔

یہ وہ تیسری قسم تھی احکام کی جس کی حقیقت کو فقط جناب زہراء سلام اللہ علیہا بیان کرسکتی تھیں عملی طور پر ۔ زبانی طور پر تو رسول اسلام ﷺ بھی بیان فرما سکتے ہیں مگر عملی طور پر فقط جناب زہراء سلام اللہ علیہا ہی بیان فرما سکتی تھیں اور اسی جناب زہراء سلام اللہ علیہا کی عظمت کا مظاہرہ ہوتا ہے کہ وہ احکام کہ جو مردوں کے ساتھ خاص یا مشترک ہیں کہ ان کو بیان کرنے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی آئے اور بارہ امام آئے جبکہ وہ احکام جو عورتوں کے ساتھ مختص ہیں ان کو بیان کرنے کے لئے فقط جناب زہراء سلام اللہ علیہا آئیں۔

ایک سوال کیا جاتا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا کہ عورت ناقص العقل ہے ناقص الایمان ہے ناقص الحصص ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم تمام عورتوں کو شامل ہے۔ تو نعوذ باللہ پھر حضرت زہراء سلام اللہ علیہا میں بھی یہ نقص تھے ۔ استغفراللہ۔ مگر تھوڑی سی فکر کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب زہراء سلام اللہ علیہا ان تینوں نواقص سے پاک تھیں۔ نقص ایمان کا معنی خود مولائے علیؑ نے بیان فرمایا ہے چونکہ عورتیں مہینے میں کچھ دن ان کو نماز چھوڑنا پڑتی ہے یعنی ماہواری کے ایام میں ۔ اسی طرح روزے کو چھوڑنا پڑتا ہے اور چونکہ ایمان کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ اعتقاد بالجنان و عمل بالارکان عمل صالح ایمان میں داخل ہے تو جب عورت عمل صالح نہیں کرسکے گی تو اس کے ایمان میں نقص ہوگا۔

رسول اسلام ﷺ نے جناب زہراء سلام اللہ علیہا کو بتول فرما کر اس نقص سے پاک کر دیا کہ بی بی زہراء سلام اللہ علیہا کبھی بھی اس نقص میں مبتلاء نہیں تھیں۔ وہ ناقص نہیں تھیں ۔ انہوں نے نماز کبھی نہیں چھوڑی تھی بتول کا مطلب یہ ہے کہ جو عورتوں میں نقص ہے اس سے بی بی زہراء سلام اللہ علیہا پاک تھیں۔

اور ناقص الحصص یعنی عورتوں کا وراثت میں حصہ مردوں سے کم ہے مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ ہے ۔ خدا نے رسول اسلام ﷺ

کے وارثوں میں سے جناب بتول کو قرار دے کر یہ بتا دیا کہ اس کو پوری کی پوری وراثت ملے گی۔ میرے عقیدے کے مطابق رسول اسلام ﷺ کی ایک بیٹی تھی اور اگر کوئی یہ کہے کہ رسول ﷺ کی اور بھی بیٹیاں تھیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وراثت کے اعتبار سے وہ جناب زھراء سلام اللہ علیھا کے برابر تھیں ۔ اگر کوئی بیٹا ہوتا تو کم ملتا بیٹا خدا نے رسول ﷺ کو نہیں دیا صرف بیٹی عطا کی تاکہ زھراء سلام اللہ علیھا کو اس نقص سے پاک رکھا جائے۔

باقی رہا تیسری قسم کا نقص یعنی ناقص العقل رسول اسلام ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں کامل ہونے والے مرد بہت تھے لیکن عورتیں صرف چار کامل ہیں حضرت مریمؑ ،حضرت آسیہؑ ،حضرت خدیجہؑ اور حضرت فاطمہ علیھا السلام جو سیدة النساء العالمین ہیں ۔ رسول خدا ﷺ نے جناب زھراء سلام اللہ علیھا کی گواہی دے کر یہ فرما دیا کہ یہ ناقص العقل بھی نہیں ہیں۔

تو ان باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ جناب زھراء سلام اللہ علیھا دین کا ایک حصہ ہیں اسلام کے تیسرے حصے کی تنفیذ جناب زھراء سلام اللہ علیھا کے ہاتھوں ہوئی ہے اور عورت کے احکام جو عورت کے ساتھ خاص ہیں ان میں سے بیٹی ہونے کے اعتبار سے بیوی ہونے کے اعتبار سے اور ماں ہونے کے اعتبار سے۔

جناب زھراء سلام اللہ علیھا نے تینوں کاموں کو انجام دے کر بتا دیا کہ بیٹی کو باپ کی خدمت کیسی کرنی چاہئے بیوی کو شوہر کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے عورت کو بچوں کی تربیت کیسے کرنی چاہئے ۔ ان تینوں کاموں کو مختصر سی عمر میں انجام دیا ، اکثر روایتوں میں ملتا ہے کہ آپ علیھا السلام کی عمر شہادت کے وقت اٹھارہ یا انیس سال کی تھی۔

باپ کی ایسی خدمت کی کہ رسول اسلام ﷺ نے فرمایا کہ فاطمه أم أبيها۔ کہ رسول اکرام ﷺ کی بیٹی ایسی تھی کہ اگر رسول اکرم ﷺ کی والدہ زندہ ہوتیں تو کیسے رسول ﷺ کی دلجوئی کرتیں۔ یہ فاطمہ رسول ﷺ کی ایسے دلجوئی کرتی تھیں۔فاطمه أم أبيها۔

بتایا کہ باپ کے ساتھ ایسے برتاؤ کرنا چاہیے۔

اور روایات میں ملتا ہے کہ خدا کی طرف سے امیر المؤمنین علیہ السلام کے لئے شرعی طور پر جائز نہیں تھا کہ جناب زھراء سلام اللہ علیھا کی موجودگی میں کوئی اور شادی کریں یعنی جناب زھراء سلام اللہ علیھام نے ایسا کردار ادا کیا کہ اب مولا علی علیہ السلام کو دوسری شادی کی ضرورت پیش نہ آئی۔ خدا نے مرد کے لئے چار عورتیں کیوں حلال کیں اس لئے کہ عورتیں ناقص العقل اور ناقص الایمان ہیں۔اس وجہ سے یہ اپنے شوہر کی کما حقہ خدمت نہیں کرتی ہیں ۔اسی لئے مرد کی ضرورت باقی رہتی ہے اسی وجہ سے مرد کو چار عورتوں کی اجازت دی ہے ۔ مگر امیر المؤمنین علیہ السلام کو جب تک جناب زھراء سلام اللہ علیھا زندہ ہیں دوسری شادی کی اجازت نہیں تھی۔

اور ماں بن کر ایسے تربیت کی کہ حسن و حسین علیھما السلام جیسے امام وجود میں آئے ، امام حسن و حسین علیھما السلام کی تربیت اسلام کی تربیت تھی ۔ بی بی سلام اللہ علیھا نے اس انداز سے تربیت کی کہ ایک دفعہ جناب امیر علیہ السلام بی بی زینب علیھا السلام کو تفسیر قرآن کا درس دے رہے تھے کہ ایک دن تفسیر کے اندر کلام کو وسعت دی اور آئندہ آنے والے حالات کے بارے میں بتانا شروع کیا کہ جب امام حسن علیہ السلام کو زہر ملے گی تو بی بی زینب علیھا السلام کا فریضہ کیا ہوگا اور کربلا میں جناب زینب علیھاالسلام کا کیا فریضہ ہوگا۔ مولا علی علیہ السلام نے بی بی زینب علیھا السلام کے دل کو زیادہ ٹھیس نہ پہنچانے کی غرض سے آہستہ آہستہ ایک ایک جملہ کہتے جارہے تھے بی بی زینب علیھا السلام نے محسوس کیا کہ میرے باباواقعہ بیان کرنے میں کچھ توقف کر رہے ہیں تو بی بی علیھا السلام نے فرمایا کہ میری ماں نے یہ واقعہ مجھے بتا دیا تھا۔

آپ کو معلوم ہے کہ بی بی زینب علیھا السلام کی عمر کتنی تھی کہ جب جناب زھراء سلام اللہ علیھا دنیا سے رخصت ہو گئ تھیں۔

رسول ﷺ کی بیٹی نے اپنے بچوں کی اس طرح تربیت کر کے بتایا کہ عورت کو کیا کرنا ہے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کا تیسرا حصہ ہی بی بی زھراء سلام اللہ علیھا کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اسلام کا محور بی بی زھراء سلام اللہ علیھاہیں اور شائد یہی وجہ تھی کہ جب خداوند عالم نے اصحاب کساء کا تعارف کرایا جب وہ رداء کے اندر تھے تو جناب زھراء سلام اللہ علیھا کو محور قرار دیا کہ جب فرشتوں نے پوچھا کہ من ھم تحت الکساء تو خدا نے فرمایا :هم فاطمة و ابوها و بعلها و بنوها۔

بعض روایات میں ملتا ہے کہ رسول اسلام ﷺ کی رحلت کے بعد بی بی زھراء سلام اللہ علیھا بہت غم کی حالت میں رہتی تھیں تو اللہ رب العزت جناب جبرائیل علیہ السلام کو بھیجتا تاکہ وہ آپ کو تسلی دے۔آئندہ حالات اور رسول اسلام ﷺ کی عظمت جبرائیل علیہ السلام جناب زھراء سلام اللہ علیھا کے سامنے بیان کرتے اس سے جناب سیدہ سلام اللہ علیھا کو تسلی ملتی تھی ۔ اور جناب زھراء سلام اللہ علیھا نے مولا علی علیہ السلام نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام ان سے یہ واقعات بیان کرتا ہے تو مولا نے فرمایا کہ اب جب ایسا ہو تو مجھے بتانا تو جب سیدہ زھراء سلام اللہ علیھا نے بتایا تو مولا علی علیہ السلام نے ان واقعات کو لکھا۔جو بی بی زھراء سلام اللہ علیھا کی اولاد پر ہونا تھے ، امام حسن علیہ السلام سے لیکرامام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف تک ۔ سب واقعات جبرائیل جناب زھراء سلام اللہ علیھا کو بیان فرماتے تھے اور جناب سیدہ سلام اللہ علیھا یہ واقعات امیر المؤمنین علیہ السلام کو بیان فرماتی تھیں اور مولا علی علیہ السلام اس کو لکھتے تھے۔اس کو مصحف فاطمہ کہتے ہیں۔ خدا کو بھی منظور نہ تھا کہ جناب زھراء سلام اللہ علیھا اس مختصر مدت میں غمزدہ رہیں اپنے مقرب فرشتے کو ان کی تسلی کے لئے بھیجا۔

جناب مریم علیہا السلام کے پاس جبرائیل ایک دفعہ آئے تھے اور بی بی زھراء سلام اللہ علیھا کے پاس رسول اکرم ﷺ کی رحلت سے لیکر بی بی کی شہادت تک آپ کی خدمت میں آتے رہے۔

بی بی مریم علیہا السلام کے پاس جبرائیل علیہ السلام ایک رسول بن کر پیغام لائے تھے ۔ ارسلنا روحنا۔ اور پیغام پہنچا کر چلا جاتا تھا جبکہ جو تسلی دینے کے لئے آتا ہے وہ بیٹھ کر تسلی دیتا ہے ۔ اگر جبرائیل علیہ السلام کا ایک دفعہ جناب مریم علیہا السلام کے پاس آنا ان کی عظمت کا تقاضہ ہے تو جناب زھراء سلام اللہ علیھا کی کتنی عظمت ہوگی کہ ایک مدت تک جبرائیل علیہ السلام آپ کی تسلی کے لئے آپ کی خدمت میں آتے تھے اور جناب زھراء سلام اللہ علیھا کی مصیبتوں کا انداز ان کے دروازے سے شروع ہوا ہے ۔

توحید در خالقیت

گروہی کاوش حوزہ علمیہ نجف اشرف

توحید در خالقیت کو تفصیلا بیان کرنے سے پہلے ہم اپنے معزز اور محترم قارئین کی خدمت میں توحید کی اقسام بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ توحید درخالقیت توحید کی اقسام میں سے کس قسم میں داخل ہے۔

توحید کی کل چاراقسام ہیں ۔

(۱)توحید ذاتی (۲)توحید صفاتی (۳)توحید عبادی (۴) توحید افعالی

توحید کی ان اقسام میں سے ہمارا مورد بحث توحید در خالقیت (توحید افعالی کی ایک قسم)ہے لیکن بلاواسطہ اس میں وارد ہونے سے پہلے ہم توحید افعالی کا اجمالی تعارف کرانا مناسب سمجھتے ہیں جو کہ یقیناًہمارے محترم قارئین کے لیے مفید ثابت ہو گا۔

توحید افعالی:

توحید کی اس قسم میں ہم درج ذیل نکات پر گفتگو کریں گے۔

۱)توحید افعالی کا مفہوم

۲)توحید افعالی کی اہمیت

۳) فعل خدا سے کیا مراد ہے؟

۴)توحید افعالی کی اقسام

۱): توحید افعالی کا مفہوم :

توحید افعالی سے مراد یہ ہے کہ عالم ممکنات میں موجود تمام علل واسباب اپنے تمام معالیل ومسببات اور آثار سمیت اللہ تعالی کے خلق کردہ ہیں اور کوئی بھی علت اور سبب اپنی تاثیر میں مستقل نہیں ہے بلکہ اس کی یہ تاثیر اللہ تعالی کی مشیئت و ارادہ کی طرف لوٹتی ہے۔

ذیل میں ہم توحید افعالی کے بیان میں شاھد کے طور پر دو علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

۱:آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہ اپنی تفسیر ''الامثل فی کتاب اللہ المنزل ''میں رقمطراز ہیں ۔''توحید افعالی سے مراد ہے کہ اس عالم امکانی میں موجود ہر وجود،حرکت اور ہر فعل کی بازگشت ذات احدیت کی طرف ہے اور وہی مسبّب الاسباب اور علۃ العلل ہے حتی کہ جو افعال ہم سے صادر ہوتے ہیں ایک اعتبارسے ان افعال کا مصدر خداوند عالم کی ذات ہے کیونکہ اس نے ہی ہمیں افعال کی انجام دہی پر قدرت ،اختیار ،آزادی اور ارادہ عطا فرمایاہے۔جبکہ ہم خود ان افعال کو انجام دیتے ہیں اور ہم ہی اپنے افعال کے مسؤل ہیں لیکن جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے وہ اللہ کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ اس کائنات میں صرف وہ ذات ہی موثر حقیقی ہے۔

(الامثل جلد ۲۰صفحہ ۵۵۷)

۲:توحید افعالی سے مراد ہے ''اس بات کی معرفت حاصل کرنا کہ اس عالم میں موجود علل و معالیل،اسباب و مسببات اور عادی و فوق العادت نظام اپنے حدوث، بقاء اور تاثیر میں خداکے ارادہ کے تحت ہی واقع ہیں ۔پس ہر چیز اسی کے ذریعے قائم ہے ، وہ ذات قیوم مطلق ہے اور اس کے سوا کائنات میں کوئی طاقت ہے نہ قوت اور نہ ہی کوئی تاثیر اس کے اذن کے سوا کارساز ہے''

(بدایۃ المعارف الالھیۃ فی شرح عقاید الامامیۃ ، السید محسن الخرازی، ج ۱ ،ص۵۵)

۲)توحید افعالی کی اہمیت :

ہم نے توحید افعالی کو اس لئے مورد بحث قرار دیا ہے کہ اس کے نتائج ہماری عملی زندگی کے ساتھ مربوط ہیں اور انسان اکثر مقامات پر اس کامفہوم واضح نہ ہونے کی وجہ سے شرک کا مرتکب ہو جاتا ہے۔مثال کے طور پرزرداشتیہ توحید صفاتی کا تو اقرار کرتے ہیں مگر وہ لوگ توحید در خالقیت کے منکر ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ اس کائنات میں خالق ایک نہیں بلکہ متعدد ہیں ایک خالق نور اور خیر ہے اور دوسرا شر اور ظلمت۔اور اسی طرح ''وثنیہ '' کے نام سے ایک اور فرقہ بھی موجود ہے

جو توحید ذاتی و توحید صفاتی پر تو ایمان رکھتے ہیں لیکن توحید در ربوبیت کا انکار کرتے ہیں جو کہ توحید افعالی کی ہی ایک قسم ہے اور اس طرح انسان کے افعال کے بارے معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اپنے افعال کو ایجاد کرنے میں مستقل ہے یہ نظریہ تفویض کہلاتا ہے اور اس کے مد مقابل اشاعرہ کا نظریہ جبر اور امامیہ کا نظریہ امر بین الامرین ہے۔
پس توحید افعالی کی اہمیت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی معرفت حاصل کیے بغیر کوئی بھی انسان اپنے آپ کو شرک سے نہیں بچا سکتا۔
۳) فعل خدا سے کیا مراد ہے؟
آیۃاللہ الشیخ محمد تقی مصباح یزدی توحید کے بارے میں اپنی کتاب میں بیان فرماتے ہیں "توحید افعالی سے مراد یہ ہے کہ خداوند عالم کی ذات اپنے افعال میں کسی کی بھی محتاج نہیں ہے اور کسی بھی چیز کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس ذات کی اعانت کرے اور فعل کے انجام دینے میں اس کی مدد کرے۔
یہاں پر آیۃاللہ الشیخ مصباح یزدی "تاثیر استقلالی" کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مخلوقِ خداکا اپنے تمام افعال میں اللہ تعالی سے بے نیاز ہو نا ممکن نہیں ہے۔ہر مخلوق کی اپنے موثر (معلول)میں تاثیر اذن خدا اور اسکی طرف سے عطاکردہ قدرت کے ساتھ ہی مکمل ہو تی ہے۔در حقیقت خداوند عالم ہی وہ ذات اقدس ہے جو بغیر کسی احتیاج کے ہر چیز کو تاثیر کی قدرت عطا فرماتی ہے جبکہ دوسری تمام مخلوقات کی فاعلیت اور تاثیر اللہ تعالی کی فاعلیت اور تاثیر کے طول میں ہے اور اس کی قدرت کے تحت واقع ہو تی ہے (الشیخ محمد تقی مصباح یزدی۔الدروس فی العقیدہ الاسلامیہ صفحہ ۱۶۳،۱۶۲)
توحید افعالی کی مختصر سی وضاحت کے بعد ہم اسکی اقسام ذکر کرتے ہیں ۔

قرآن کی اس آیت " انی اخلق لکم من الطین کھیءۃ الطیر " "میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی شکل کا مجسمہ بناتا ہوں"(آل عمران ۴۹) میں" خلق" تقدیر کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔
اور لغت میں دوسرا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح ایجاد کرنا کہ اس سے پہلے اس کی کوئی مثال موجود نہ ہو۔(تاج العروس ج ۲۵ ص ۲۵۱)
۲) اصطلاحی معنی:
کسی چیز کو اس طرح ابداع اور ایجاد کرنا کہ اس کی کوئی مثال موجود نہ ہو۔
آیات قرآنی بھی اس معنی کی طرف اشارہ کرتی ہیں ۔
"هو الخالق البارى المصور له الاسماء الحسنى "(الحشر ۲۴)
"وہی اللہ ہی خالق، موجد اور صورت گر ہے جس کے لیے حسین ترین نام ہیں"
اسی طرح امیرالمؤمنینؑ نے بھی اپنے خطاب میں اسی معنی کو بیان فرمایا ہے ۔
" ابتدع ما خلق بلامثال سبق وكل صانع شئى فمن شئى صنع و الله لامن شىء صنع ما خلق
(بحار الانوار ج۔۴ ص ۔۲۶۹)
' اللہ تعالی نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا بغیر کسی نمونے کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے عدم سے وجود کا لباس پہنایا جبکہ ہر بنانے والا پہلے سے ہی موجود مواد سے کسی چیز کو بناتا ہے لیکن اللہ نے جسے بھی پیدا فرمایا اسے عدم سے وجود عطا فرمایا"
خلق کا یہ اصطلاحی معنی فقط خداوند عالم کی ذات کے ساتھ خاص ہے پس علم کلام کی اصطلاح میں خلق کے اس معنی کو غیر خدا میں استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

توحید افعالی کی اقسام:
توحید افعالی کی اقسام درج ذیل ہیں۔
۱)توحید در خالقیت ۔(۲) توحید در رازقیت۔(۳)توحید در ربوبیت۔(۴) توحید در تشریع ۔(۵) توحید در حاکمیت ۔(۶)توحید در استعانت
اس وقت ہمارا مورد بحث توحید در خالقیت ہے توحید افعالی کی اس قسم میں ہم مندرجہ ذیل نکات پر بحث کریں گے۔
۱) خلق کا لغوی معنی۔(۲) خلق کا اصطلاحی معنی۔(۳) توحید در خالقیت سے کیا مراد ہے؟۔(۴) قرآن مجید کی نظر میں توحید در خالقیت۔
۱) خلق کا لغوی معنی :
لغت میں جہاں لفظ خلق استعمال ہوا ہے اس سے دو معانی مراد لئے جاتے ہیں۔ایک تقدیر کے معنی میں ہے (تاج
العروس جلد نمبر ۲۵ صفحہ ۲۵۱،لسان العرب جلد ۴ صفحہ ۱۹۲)
جس طرح خداوند عالم کی ذات نے قرآن میں اسی معنی کو ذکر کیا ہے۔
" فتبارک الله احسن الخالقين "(المومنون۱٤)
"پس بابرکت ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین خالق ہے"

اس آیت میں" خلق" تقدیر کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور کسی چیز کے وجود کی حد بندی کو تقدیر کہتے ہیں۔

ہاں البتہ جن آیات و روایات میں خلق کی نسبت غیر خدا کی طرف دی گئی ہے ان تمام موارد میں خلق کا یہ اصطلاحی معنی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ معنی اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔
خلق بمعنی تقدیر اور خلق بمعنی ابداع کے درمیان فرق بیان کرنے کے لئے ہم ایک واضح سی عبارت ذکر کرتے ہیں ۔
" جب کسی چیز کی ایجاد کے ساتھ اس کا مادہ ذکر کیا جائے تو اس سے مراد تقدیر ہے۔
اور جب خلق کی نسبت ایک چیز کی طرف دی جا رہی ہو اور اسکے ساتھ مادہ کا ذکر نہ ہو تو اس سے مراد ابداع ہے۔
او ر اسی اصطلاحی معنی کوآیۃاللہ السید محمد حسین طباطبائی نے تفسیر المیزان میں(سورہ اعراف آیۃ ۵۴ کے ضمن میں) صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔"الخلق هو التقدير بضم شىء الى شىء وان استقر ثانيا فى عرف الدين واهله فى معنى الايجاد او الابداع على غير مثال سبق"(المیزان ج ۸ ص ۱۵۰)
"خلق کا معنی تقدیر ہے یعنی ایک شیء کو دوسری شیء کیساتھ ملانا اگرچہ آج کل اہل علم کے نزدیک کسی نمونے کو مدنظر رکھے بغیرایجاداور ابداع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔"

مرجع عالی قدر دام ظلہ سے پوچھے گئے سوالات اور ان کے جوابات

مترجم: سید نذر حسنی

سوال: حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی شہادت کے ایام میں سیاہ لباس پہننے کا کیا حکم ہے جبکہ بعض جگوں میں دس دن تک شہادت کا سوگ منایا جاتا ہے؟

جواب: اگر اس کا مقصد شعائر کی تعظیم ہو یعنی رسول خدا ﷺ کی اکلوتی بیٹی کی شہادت پر حزن و ملال کے اظہار کے لئے سیاہ لباس پہننا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ دنیا کے اکثر ملکوں میں سیاہ کپڑے پہننا حزن و اظہار ہمدردی کی علامت سمجھا جاتا ہے پس اس اعتبار سے یہ شرعی طور پر مرغوب اور باعث ثواب عمل ہے۔

سوال: جناب عالی لوگوں کے آئمہ علیہم السلام کی ضریحوں کے گرد طواف کرنے اور اپنے جسم کو ضریح کے ساتھ مس کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں اور اسی طرح یہ لوگ یا علی یا حسین کہتے ہیں اور یا اللہ نہیں کہتے میں اس کو خدا کے ساتھ شرک اور گناہ کبیرہ شمار کرتا ہوں پس یہ لوگ آئمہ علیہم السلام کی پوجا کرتے ہیں۔ اس بارے میں ہمیں اپنا فتوی دے کر ممنون فرمائیں؟

جواب: میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ کیا خانہ کعبہ اور اس کی دیواروں کی اس عمل کے ذریعے پوجا کرتے ہیں نعوذ باللہ کعبہ خدا ہے؟ کیا حجر اسود کو بوسا دینا نعوذ باللہ خدا کو بوسا دینا ہے؟ کیا کعبہ کی دیواروں کو مس کرنا خدا کو مس کرنا ہے۔ آپ ان تمام اعمال پر شرک کا حکم کیوں نہیں لگاتے اور یہ جان لیجئے کہ عبادت نام ہے خدا کو خدا کہنے اور عبودیت کے اقرار و اظہار کا تو کیا آپ نے کوئی ایسا شیعہ دیکھا ہے جو معصومین علیہم السلام کو خدا سمجھتا ہو ضریح کے گرد تو طواف وہ فقط و فقط وہاں مدفون امام کے ساتھ تعلق اور اس سے عقیدت و محبت کے اظہار کے لئے کرتے ہیں۔ آئمہ علیہم السلام سے مروی شدہ روایات میں اہلبیت رسالت اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی قبروں اور ضریحوں کا بوسہ لینے کی اجازت دی گئی ہے اور آئمہ اطہار ہمیں وہی حکم دیتے ہیں جو ان کے جد امجد رسول اسلام ﷺ کا حکم ہو اور شرک سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو خدا کا نظیر اور ہم مثل قرار دے اور وہ صفات جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں انہیں کسی اور کے لئے ثابت کرے اگر فقط بوسہ لینا شرک ہے تو انسان اپنی اولاد کا بوسہ لیتے ہی مشرک ہوجاتا ہے۔

سوال: زیارت وارثہ میں مذکور ہے السلام علیکم و علی اجسامکم و علی اجسادکم یعنی آپ پر اور آپ کے اجساد اور اجسام پر سلام ہو جسم اور جسد میں کیا فرق ہے؟

جواب: جسم لغت میں اسے کہا جاتا ہے کہ جس کو لمبائی چوڑائی اور اونچائی میں تقسیم کیا جاسکتے اور چاہے اس کے کتنے ہی حصے اور ٹکڑے ہوجائیں ان ٹکڑوں کو جسم کہا جائے گا۔ عربی لغت لکھنے والوں کے مطابق مثلا خلیل فراھیدی کے مطابق جسد جسم کے ساتھ خاص ہے جسد کا اطلاق فقط مکمل انسانی جسم پر ہوتا ہے اور مکمل انسانی جسم کے علاوہ کسی بھی چیز کو جسد نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح بعض دفعہ جسد اسے کہتے ہیں جس کا کوئی رنگ ہو اور جسم اسے کہتے ہیں جس کا کوئی رنگ نہ ہو جیسے ہوا اور پانی وغیرہ۔

سوال: خطباء ممبر پر پڑھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے کٹے ہوئے سر مبارک نے یزید ملعون کے دربار میں اس آیت کی تلاوت فرمائی تھی ام حسبتم ان اصحاب الکھف و الرقیم کانوا من آیاتنا عجبا۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو اصحاب کہف اور رقیم ہماری عجیب ترین نشانیوں میں سے تھے۔ اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں نیز امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کا کلام کرنا کسی معجزے کے طور پر تھا یا کسی اور عنوان سے؟

جواب: آواز کے تمام عناصر سے خالی اور مفقود سر مبارک کا کلام کرنا یا تو کرامت کے طور پر تھا یا دشمن پر اپنے انجام سے خوف دلانے کے لئے تھا یا پھر اتمام حجت کے لئے تھا۔ روایت کے مطابق سر مبارک نے اس آیت کی تلاوت یزید ملعون کے دربار میں نہیں بلکہ ایک اور مقام پر کی تھی البتہ امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک نے یزید کے دربار میں لاحول و لا

قوۃ الا باللہ کہا تھا جب یزید ملعون نے اس سفیر کو قتل کرنے کا حکم دیا کہ جس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اسی طرح روایات میں ہے جب عبید اللہ ابن زیادہ ملعون کے دربار میں سر مبارک کو لایا گیا تو وہاں بھی سر مبارک نے کلام فرمایا اور روایت کے مطابق اور بھی مختلف مقامات پر سید الشہداء علیہ السلام کے کٹے ہوئے سر مبارک نے کلام فرمایا ان تمام روایات کو تاریخی روایات کے ضمن میں درج کیا جاتا ہے اور کتاب کا حوالہ دے کر پڑھا جاتا ہے۔

سوال: امام حسین علیہ السلام کے بیٹوں کے بارے میں تو ہم جانتے ہیں کہ وہ کربلا میں ان کے ساتھ شہید ہوئے اور تاریخ و مقتل کی کتابوں میں ان کا ذکر بھی موجود ہے لیکن حضرت عباس علیہ السلام کے بیٹوں کے بارے میں کتابوں میں خاص مذکور نہیں ہے تو پس کیا وہ حضرت عباس علیہ السلام کے ساتھ میدان کربلا میں تھے یا پھر مدینہ میں ؟

جواب: کتاب نور العین فی مشھد الحسین میں مذکور ہے کہ حضرت عباس کا ایک بیٹا کہ جس کا نام قاسم تھا وہ اپنے بابا کی شہادت کے بعد اپنے چچا امام حسین علیہ السلام کی نصرت و تائید میں شہید ہوا اور اسی جانب اس زیارت میں اشارہ موجود ہے کہ جو زیارت رسول خدا ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے اور اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ کربلا میں شہید ہونے والے حضرت عباس علیہ السلام کے بیٹے کا نام محمد تھا اس رائے کو میرے بھائی سید حسین بحر العلوم نے اپنے والد کی کتاب مقتل الحسین کے حاشیہ میں بہتر قرار دیا ہے۔

سوال: وہ لڑکی جو جدید ادویات کے لینے کی وجہ سے کچھ مدت کے لیے افزائش نسل سے مایوس ہو جائے یعنی یائسہ۔ کیا یہ لڑکی یائسہ عمر رسیدہ کے حکم میں آتی ہے یا نہیں ؟

جواب: بسمہ سبحانہ! جب تک وہ عمر کے اعتبار سے حد یائس تک نہ پہنچے تو اس کو یائسہ نہیں سمجھا جائے گا۔ واللہ العالم

سوال: اگر محققین سائنسدان دوران تحقیق کسی دوسرے سیارے یعنی مشتری، پلوٹو وغیرہ پر پہنچ جائیں تو ان کی نماز کا کیا حکم ہے ؟

جواب: بسمہ سبحانہ! وہ زمین کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں گے۔ اگر وہ سمت قبلہ کو تعین کر سکتے ہیں تو اس کا تعین کرنا بھی واجب ہو جائے گا۔ واللہ العالم

سوال: کیا معتکف شخص اپنے خانوادہ کو ٹیلیفون کرنے کے لیے خارج از مسجد جاسکتا ہے ؟

جواب: بسمہ سبحانہ! اگر ٹیلی فون نہ کرنے سے اس کو یا اس کے خانوادہ کو کوئی ضرر ہو تو اس صورت میں جائز ہے۔ واللہ العالم

سوال: معتکف شخص اپنے خانوادہ کا دیدار کرنے کے لیے خارج از مسجد جاسکتا ہے ؟

جواب: بسمہ سبحانہ! اگر اس کے لیے یا اس کے خانوادہ کے لیے باہر جاکر بات نہ کرنے سے کوئی غیر قابل تحمل ضرر ہو تو اس

سماحۃ آیۃ اللہ العظمى المرجع الدینی الکبیر الشیخ بشیر حسین النجفی

صورت میں جاسکتا ہے۔ ورنہ جائز نہیں ہے۔ واللہ العالم

سوال: معتکف شخص آئینہ دیکھ سکتا ہے ؟

جواب: بسمہ سبحانہ! ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر زینت کے لیے کر رہا ہو تو اجتناب بہتر ہے۔ واللہ العالم

سوال: خوشبوئی صابن اور شیمپو وغیرہ استعمال کرسکتا ہے جبکہ بدون خوشبو صابن اور شیمپو میسر نہ ہو؟

جواب: بسمہ سبحانہ! ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ واللہ العالم

سوال: معتکف شخص کسی کا نکاح پڑھ سکتا ہے ؟

جواب: بسمہ سبحانہ! کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ العالم

سوال: معتکف شخص انٹرنیٹ پر روضہ خوانی کرسکتا ہے ؟

جواب: بسمہ سبحانہ! کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ العالم

سوال: معتکف شخص مستحبی غسل اور وضوء کے لیے خارج از محل اعتکاف جاسکتا ہے؟

جواب: بسمہ سبحانہ! بقدر ضرورت کہ جس میں سوائے وضو غسل کے علاوہ کوئی اور کام نہ کرے تو جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ وضو و غسل کی جگہ دور نہ ہو۔ واللہ العالم

پاکستانی علمائے کرام کی مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ملاقات

جناب مولانا سید شہنشاہ نقوی صاحب، جناب مولانا شیخ شفا نجفی صاحب اور مولانا اقبال حسین مقصود پوری صاحب نے مرجع عالی قدر دام ظلہ سے نجف اشرف میں ان کے مرکزی دفتر میں ملاقات کی ۔ ان علمائے کرام نے مرجع عالی قدر سے الگ الگ ملاقاتیں کی۔

علمائے کرام نے مرجع مرجع عالی قدر کو پاکستان کے موجودہ حالات کے بارے میں بتاتے ہوئے اپنی کی گئی کاوشوں اور خدمات کو بیان کیا۔ آخر پر مرجع عالی قدر نے ان علمائے کرام کے لئے خصوصی دعا فرمائی اور در نجف بھی ھدیہ کے طور پر عطا کئے۔ دوسری طرف ان علمائے کرام نے بھی مرجع عالی قدر کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

بغداد میں موجود پاکستانی سفارت خانے کے عملے کی مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ملاقات

پاکستانی سفارت خانےکے عملہ نے نجف اشرف میں مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ان کے مرکزی دفتر میں ملاقات کی ۔ اس ملاقات میں انہوں نے مرجع عالی قدر کو اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ وہ ہر ماہ نجف اشرف میں موجود پاکستانیوں کی خدمت کے لئے آیا کریں گے اور اس بات کا بھی انہوں نے اظہار کیا کہ وہ مستقبل میں نجف اشرف میں پاکستانی قونصلیٹ بھی کھولنا چاہتے ہیں ۔ دوسری طرف مرجع عالی قدر نے سفارت خانے کی اس کاوش کو بہت بڑی خدمت قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاکستانی بیٹو کو بچوں سمیت کاغذات کے سلسلے میں بغداد جانے کے لئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہٰذا اگر یہاں قونصلیٹ بن جائے تو بہت اچھا ہے جیسا کہ صدام کے دور میں کربلا میں پاکستانی قونصلیٹ ہوتا تھا۔

آخر میں مرجع عالی قدردام ظلہ نے فرمایا کہ پاکستانیوں کی خدمت کرنا آپ کا قانونی، شرعی اور انسانی فریضہ ہے اور جنت کمانے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔

جو وسواس میں مبتلاء ہوتا ہے وہ خدا کا بندہ نہیں شیطان کا بندہ ہوتا ہے۔

امریکہ ، کینڈا اور یمن سے آئے ہوئے مومنین زائرین نے مرجع عالی قدر دام ظلہ سے نجف اشرف میں ان سے ان کے مرکزی دفتر میں ملاقات کی ۔ اس ملاقات کامقصد مرجع عالی قدر کی زیارت اور ان سے علمی استفادہ کرنا تھا ۔ اس ملاقات میں وسواس میں مبتلا شخص کے بارے میں کیئے گئے سوال کے جواب میں مرجع عالی قدر دام ظلہ نے فرمایا کہ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو وسواس میں میں مبتلا ہوتا ہے وہ خدا کا بندہ نہیں ہوتا بلکہ شیطان کا بند ہوتا ہے ۔ اس کا صرف علاج یہ ہے کہ مثلا گلاس ہے اور وسواس ، خیال اور شیطان آپ کو کہتا ہے کہ یہ نجس ہے اور آپ جس مرجع اور مجتہد کی تقلید کرتے ہیں وہ اس کو پاک کہتا ہے تو آپ اس نجاست والے خیال کو پاؤں تلے روند دو اور کہو کہ مرجع کہہ رہا ہے کہ یہ پاک ہے۔ اس کے علاوہ کوئی علاج نہیں ہے ۔ یہ علاج ہمیں روایات سے ملا ہے اور ہمارے بڑے اور بزرگ مراجع نے بیان کیا ہے ۔ لہٰذا اگر آپ نے اپنے وسواس کو مانا ارو گلاس کو نجس سمجھا تو آپ نے شیطان کی بات مانی ہے اور اگر پاک سمجھا ہے اور مرجع کی بات مانی ہے اپنے مجتہدکی بات مانی ہے تو آپ نے خدا کی بات مانی ہے ۔ لہٰذا جو مجتہد کہتا ہے اس کی بات مانو ورنہ ساری عبادت ضائع ہوجائے گی لہٰذا اگر آپ اس طرح چند دن کریں تو شیطان اور وسواس آپ کو چھوڑ دیں گے۔

صوبہ سندھ کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے مؤمنین کی مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ملاقات

کراچی ، حیدر آباد ، لاڑکانہ اور سکھر سے قافلوں کی صورت میں آئے ہوئے مومنین زائرین نے مرجع عالی قدر دام ظلہ سے نجف اشرف میں ان کے مرکزی دفتر میں ملاقات کی ۔ اس ملاقات کا مقصد مرجع عالی قدر دام ظلہ کی زیارت کرنا اور ان سے علمی استفادہ کرنا تھا۔ اس ملاقات میں وفود کے ارکان نے اپنے کارڈ گلے میں پہنے ہوئے تھے کہ جن پر ان کی اپنی تصویر لگی ہوئی تھی تو اس کے رد عمل میں مرجع عالی قدر نے فرمایا کہ میرے بیٹے نماز پڑھتے وقت ان کارڈوں کو اتار دیں اور پھر نماز پڑھیں اگر ان کارڈوں کو نہ اتارا کہ جن پر تصویر لگی ہوئی ہے تو آپ کی نماز باطل ہوگی۔ مرجع عالی قدر دام ظلہ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان تصویر والے کارڈوں کو چھپانا کافی نہیں ہے بلکہ اتارنا ضروری ہے ۔

اس ملاقات میں حجاب کے بارے میں کیے گئے سوال کے جواب میں مرجع عالی قدر نے فرمایا کہ عورتوں پر واجب ہے کہ وہ اس طرح حجاب کریں کہ جس طرح اگر جناب زہراء سلام اللہ علیھا ہوتیں تو حجاب کرتیں ، مزید وضاحت کرتے ہوئے مرجع عالی قدر نے فرمایا کہ عورت کے شوہر کا بھائی اس کے لئے نامحرم ہے اس لئے اس سے بھی پردہ واجب ہے اس لئے کسی ضعیف روایت میں بھی نہیں ملتا کہ بی بی زہراء سلام اللہ علیھا نے کبھی اپنے دیور کے ساتھ سفر کیا ہو۔

اس ملاقات میں زائرین کو مرجع عالی قدر دام ظلہ نے اس بات کی بھی وضاحت فرمائی کہ اگر شوہر اور بیوی دونوں شرعی حدود کے پابند ہوجائیں تو کبھی طلاق واقع نہیں ہوگی اس لئے شریعت کی پابندی کرو۔

مرجع عالیقدر دام ظلہ سے عورت کے حق مہرکے بارے میں جب سوال کیا گیا تو مرجع عالی قدر دام ظلہ نے جوب میں فرمایا کہ نیک بخت وہ عورت ہے جس کا حق مہر کم ہو۔

زائرین کی طرف سے یہ سوال کیا گیا کہ اولاد کی تربیت کب سے شرع ہوتی ہے تو مرجع عالی قدر دام ظلہ نے فرمایا کہ جب بچہ باپ کے صلب سے ماں کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس وقت سے بچے کی تربیت کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اس لئے اس وقت بچے کی ماں کو حلال غذا کھلاؤ اسے بغیر حجاب کے باہر نہ جانے دو ورنہ اس کا اثر اس بچے پر ہوگا۔